مہاراجا پورس

سکندر اعظم کا حملہ اور پورس کی مزاحمت کی تاریخی داستان



بُدھا پرکاش

مترجم: ایم وسیم

مہاراجا پورس

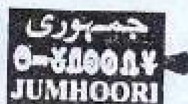
سکندرِ اعظم کا حملہ اور پورس کی مزاحمت کی تاریخی داستان

بدھا پرکاش

مترجم: ایم وسیم

جمہوری پبلیکیشنز

جمہوری شعوری فکری تحریک



اہتمام: فرخ سہیل گوئندی

نام کتاب	:	مہاراجا پورس
مصنف	:	بدھا پرکاش
مترجم	:	ایم وسیم
ٹائٹل	:	ایک مغربی مصور کی پورس کی جنگ کا تخیل
اشاعت دوئم	:	مئی 2004ء
پرنٹرز	:	شرافت پریس لاہور
قیمت	:	150 روپے

جمہوری پبلیکیشنز

9_انجم بلڈنگ، نیلا گنبد لاہور

پی او بکس 6283 لاہور کینٹ

Ph# 042-7212437 Fax# 042-6670001 E-mail jumhoori@hotmail.com

انتساب

پنجاب کے اس گمنام سپوت کے نام جس کے تیر سے
فاتح عالم سکندر اعظم زخمی ہو کر جنگ سے دل ہار بیٹھا

فہرست

فہرست

دیاں دا راجا

سکندر اعظم مقدونیہ کے چھوٹے سے شہر (Pella) میں پیدا ہوا۔ مقدونیہ یونان کے دوسرے خطوں سے کہیں پیچھے تھا۔ اہل یونان مقدونیوں کو جاہل اور پسماندہ تصور کرتے تھے اور ان کی ایتھنز اور آسیہ (Asia) وغیرہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کا بنیادی کام بھیڑ بکریاں پالنا اور کھیتوں میں کام کرنا تھا۔ سکندر اعظم خوش قسمت تھا کہ وہ ارسطو جیسے استاد کا شاگرد بنا۔ اس تعلق نے سکندر اعظم کی شخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ارسطو کے علمی خزانے تک سکندر اعظم کی رسائی نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ مقدونوی سکندر کی فتوحات نے یونان سمیت اس وقت کی ساری دنیا میں اسکی دھاک بٹھا دی۔ اس وقت کی دنیا یونان کے علاوہ جن شاندار تہذیبوں کی مالک تھی، ان میں ایران، مصر، بابل اور انڈس (شمالی ہندوستان) شامل ہیں۔ سکندر اعظم فقط سپہ سالار یا ایک بے رحم جنگجو فاتح نہیں تھا بلکہ اس کے دل میں یونان سے پار تک ان تہذیبوں کو جاننے کی خواہش موجزن تھی۔ سکندر اعظم کی شخصیت کی یہ فکری بنیاد ارسطو کی رہین منت تھی جو یونان کے علم کا ایک بڑا خزانہ تھا۔

میں نے تقریباً ان تمام خطوں کا سفر کیا ہے جن کو سکندر اعظم نے فتح کیا۔ آج کی جدید اور تیز رفتار سفری زندگی کے زمانے میں بھی جتنا وقت مصر، ایران، بابل اور انڈس (پاکستان) تک سفر کرنے میں درکار ہے وہ کچھ کم نہیں، مگر 2300 سال پہلے مقدونیہ کا سکندر ان خطوں کو جس رفتار سے فتح کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صرف اور صرف فوجی جرنیل ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کا باکمال مفکر اور عالم بھی تھا، جو ان تہذیبوں کو زیر کرنے کا بھرپور علم رکھتا تھا۔ یہ علم درحقیقت یونانی تہذیب کا نچوڑ (Essence) تھا۔ فتح در فتح، سکندر اعظم جن خطوں سے گزرا، اگر آپ تاریخی اٹلس میں اس روٹ کو دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ وہ کتنے

طویل سفر کا راہی تھا۔ سکندر اعظم نے اپنے وقت کی چار بڑی تہذیبوں کو زیر کیا؛ یہ صرف فوجی حکمت عملی کے ذریعے نہیں، بلکہ اپنے وقت کے عالمی امور، تاریخ، جغرافیہ، ٹیکنالوجی، ثقافت اور پیش نظر خطوں کے نظاموں پر مکمل عبور کے سبب ممکن ہو۔ سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کی منزل (Destiny) مشرق ہند کے اس آخری مقام کو مقرر کیا جس کے بارے میں یہ خیال عام تھا کہ سورج یہاں سے ابھرتا ہے۔ مگر سکندر اس حسرت کو اپنے دل میں لئے اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ سکندر ایشیائے کوچک (اناطولیہ) سے ہوتا ہوا مصر میں داخل ہوا اور مصر کے بعد پھر ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے اُس نے بابل (موجودہ عراق) کی تہذیب کو زیر کیا۔ اِس کے بعد ایران میں تخت جمشید (Persipolis) کو فتح کیا اور پھر اوپر کی طرف کاکیشیا کو فتح کرتا ہوا، ہندوکش کو عبور کر کے برصغیر میں داخل ہوا۔

اس وقت سکندر کے سامنے دو بڑی دیواریں تھیں: ایک کاکیشین پہاڑ اور دوسرے ہندوکش کا سلسلہ۔ یہ دونوں نام بھی یونانیوں نے ہی رکھے تھے۔ ہندوستانی پہاڑوں کو بھی انہوں نے 'کاکیشین جیسے پہاڑ' قرار دیا اسی لئے ان کا نام ہندوکش پڑا۔ دنیا کی ان دو دیواروں کو عبور کرتے ہوئے سکندر مقدونی، ہند کی اس دھرتی میں داخل ہوا جسے 'دیر' کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ وہ ٹیکسلا کو فتح کرتے ہوئے کوہ نمک میں اپنی فوج کے ساتھ وارد ہوا اور فوج کو نئے سرے سے منظم کیا۔ کوہ نمک کے خطے میں اس نے چھاؤنی بھی تشکیل دی کیونکہ اب اُسے پنجاب کے بڑے میدان میں اُترنا تھا۔ کاکیشیا اور ہندوکش کے بعد پنجاب اس خطے کا بڑا میدانی علاقہ ہے۔ سکندر یونانی نے پاکستان کے شمالی خطے کی حثیت کو دیکھتے ہوئے اس خطے کو یونان کے PINDUS کے علاقے سے تعبیر کیا۔ بعد میں یہی لفظ بگڑ کر INDUS بنا اور شمالی ہند کے اس خطے کو انڈس (Indus) یا سندھ بھی کہا جانے لگا۔

سکندر اعظم اناطولیہ، بابل، مصر اور ایران کی فتوحات کے بعد بے چینی سے سورج کی دھرتی کو فتح کرنے کا آرزومند تھا۔ وہ جانفشانی، دانش اور دلیری سے پے در پے فتوحات کرتا چلا آرہا تھا۔ کوہ نمک سے نیچے پنجاب کی دھرتی میں دریائے جہلم (Hydaspes) کے کنارے "دیاں دا راجہ" مہاراجا پورس، ایرانی، مقدونی، اناطولی، مصری، بابلی اور دیگر قوموں پر مشتمل یونانی جرنیلوں کی قیادت میں حملہ آور ہونے والی فوج کے خلاف، شدید مزاحمت کا منتظر تھا۔ فاتح عالم، سکندر یونانی کے ساتھ یہ معرکہ تاریخ

کے مذکورہ باب کا اہم واقعہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب سکندر اعظم اور مہاراجا پورس کے مقابلے کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ سکندر اعظم جب کوہ نمک سے اتر کر دریائے جہلم کے کنارے راجا پورس کے ساتھ برسرِ پیکار ہوا، اس وقت تک سکندر اعظم طویل جنگی فتوحات کا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اسے اپنی جنگی مہارت اور عسکری بالادستی پر بھرپور اعتماد بھی تھا۔ مگر سکندر اعظم کے لئے مہاراجا پورس کی مزاحمت سکندر کی تمام جنگی محاذ آرائیوں سے اس لئے بھی مختلف تھی کہ اب سکندر اعظم اور اس کی فوج کو پہلی مرتبہ ہاتھیوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ مہاراجا پورس اپنی دیگر فوج کے علاوہ ہاتھیوں پر مشتمل دستے کے ساتھ تہذیبوں کے فاتح کے سامنے صف آرا ہو۔ مورخین کی ہاتھیوں کی تعداد کے بارے میں مختلف آراء ہیں مگر میں اس رائے سے زیادہ متفق ہوں جس میں پورس کے ہاتھیوں پر مشتمل فوجی دستے کی تعداد 200 بیان کی گئی ہے۔ ہاتھی فوجی دستے کی اہمیت مسلّم ہے۔ اسی طرح جیسے آج کا امریکہ اپنے B52 بمبار طیاروں کی کارکردگی پر ناز کرتا ہے۔ آج امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے وار سٹریٹیجک کالجوں میں پورس اور سکندر اعظم کی Hydaspes کے کنارے 327 ق م کی اس جنگی حکمت عملی کو پڑھایا جا رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں پورس اور اس جنگ کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے جو کہ پنجاب کے قدیم باسیوں کی سکندر اعظم (فاتح عالم) کے خلاف مزاحمت کی ایک انمٹ مثال ہے۔ سکندر اعظم نے اپنے وقت کی تین بڑی تہذیبوں (ایرانی، بابلی اور مصری) کو زیر کیا مگر دریائے جہلم کے کنارے جنگ اس کی جنگی مہمات میں بڑی منفرد ہے۔ درحقیقت دریائے جہلم کے کنارے لڑی گئی اس جنگ نے سکندر اعظم کی اگلی فتوحات کا خواب چکنا چور کر دیا۔ اگرچہ پورس کے مقابلے کے بعد بھی اس نے پیشقدمی جاری رکھی مگر وہ اپنا مشن پورا نہ کر پایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس جنگ نے ساری یونانی فوج کا مورال تباہ کر دیا۔ پورس کی شکست ایک سادہ شکست نہیں جنگی حکمت عملی میں یہ مقابلہ ایک شاندار مقابلہ ہے اور پورس جس فوجی طاقت پر گمان کر رہا تھا وہی اس کی شکست کا بنیادی سبب بنا، یعنی ہاتھیوں پر مشتمل دستہ۔ بدمست ہاتھی اپنے ہی سپہ سالار کو لے ڈوبے۔ جہلم کے بعد گوریلا جنگجوؤں نے بھی سکندر اعظم کی فوج کو پے در پے نقصان پہنچایا اور بعد میں وہ انڈس ہی کے ایک مقامی جنگجو گوریلے کے زہر آلود ہتھیار کا نشانہ بنا۔ پجند کے مقام سے سکندر نے یونان واپسی کا فیصلہ کیا اور ایک بڑا بحری بیڑہ تیار کیا۔ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ کو دریائے سندھ کے راستے سمندر میں اتارا اور باقی فوج کو گوادر سیا (بلوچستان) کے

راستے ایران کی جانب روانہ کیا۔ یونانی مؤرخین کے مطابق سکندر اعظم کی فوج کو تمام جنگی مہمات میں وہ تکالیف نہیں اٹھانا پڑیں جو گوادر سیا کے مشکل ترین سفر کے دوران پیش آئیں اور جب بحری اور زمینی فوج ایران میں آپس میں ملیں تو دونوں فوجی حصے ادھ موئے ہو چکے تھے۔ سکندر کے بعد پنجاب پر یونانی جرنیلوں نے مقامی سرداروں کے ساتھ مل کر حکومت کی اور یونانی اور مقامی تہذیب کا ایک بڑا دلچسپ ملاپ وجود میں آیا، جس نے گندھارا تہذیب اور ایک نئے آرٹ کو جنم دیا۔ اس کے اثرات، شمالی علاقہ جات، ٹیکسلا اور سون وادی کے اندر یونانی دور کے کھنڈرات سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ گندھارا تہذیب ایک ہند یونانی تہذیب تھی اور گندھارا لفظ کے معنی بھی بڑے خوبصورت ہیں یعنی ۔۔۔۔خوشبو!!

پورس کی مزاحمت، درحقیقت، فاتح عالم سکندر اعظم کی آخری جنگ تھی۔ اس مقابلے کے بعد، سکندر اعظم کا مشرقی ہند جانے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ مہاراجا پورس کی تاریخ پر آج کل دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ اس لئے کہ مورخین کے نزدیک یہ مزاحمتی حکمران بڑا اہم ہے جس نے سکندر اعظم ایسے فاتح عالم کو مشکل ترین معرکہ آرائی میں ڈالا۔ زیر نظر کتاب پورس کے معرکے اور اس وقت کے زمانے کی ایک شاندار تصویر ہے۔ اس کتاب کو پورس کی دھرتی پہ بسنے والوں تک پہنچانے کے لیے اُردو میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ تاریخ کے نئے ابواب دریافت کیے جاسکیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پورس کے معرکے کی داستان اور اُس کے زیر نگرانی خطے کی تاریخ سمجھنے میں مزید سہولت پیش آئے گی۔

فرخ سہیل گوئندی

ستمبر 2002

E-mail:dmocrat@brain.net.pk

تاریخی سچ

ہم میں سے کتنے ہیں جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے 327 برس قبل کے خطہ ہندستان کی تاریخی عظمت کی حقیقی روح سے آگاہ ہیں بہت کم جانتے ہیں کہ اس دور کا پنجاب اپنی ثقافت، عسکری اور جغرافیائی برتری کے اس کمال پر تھا کہ سلطنت ایران اپنے روایتی حریف سلطنت روما کے خلاف لڑائی میں اس کی مدد کی طالب تھی اور پنجاب اس قابل تھا کہ اس پکار پر لبیک کہہ سکے اور جفاداری جنگجوؤں، دیوہیکل ہاتھیوں اور برق رفتار شہسواروں کی فوج سینکڑوں میل دور روانہ کر سکے یہ اوج کس کے دم قدم سے تھا؟ یہ بھی بہت تھوڑے ہندستانی جانتے ہیں، جی ہاں! مہاراجا پورس ہی وہ قومی ہیرو ہے جس کی جنگی حکمت عملی کا اعتراف ''مہابھارت'' جیسے قدیم عہدنامے میں بھی کیا گیا ہے اور یونانی اور حبشی دانشوروں نے بھی اسے موضوع بحث بنایا یہ اعزاز مہاتما بدھ، اشوک کے علاوہ اس خطے کی کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہوا ''پورس'' کے مصنف، ممتاز محقق بدھا پرکاش نے بالکل درست لکھا ہے کہ ایران، وسط ایشیا اور افغان سر زمین کو پیروں تلے روندنے والے مقدونوی حملہ آور سکندر کی فتوحات کے سیلاب کے آگے جس واحد وطن پرست نے بند باندھا وہ پورس تھا جسے اپنے ہمسایہ حکمرانوں کی حمایت تو کیا حاصل ہوتی الٹا کھلی جارحیت کا سامنا تھا لیکن ہمت ہارنے کے بجائے پورس نے مقابلے کی ٹھانی اور برابری کی بنیاد پر لڑائی کے خاتمے پر رضامند ہوا۔

خوش قسمتی سے میں نے اس علاقے کا دورہ کیا ہوا ہے جہاں تاریخی جنگ جہلم لڑی گئی جلال پور شریف (ضلع جہلم) ٹلہ جوگیاں کے بے آب و گیا میدان، چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں، درختوں اور جھاڑیوں کے ساتھ نیم مردہ دریائے جہلم (ہیڈ رسول کی وجہ سے دریا ایک لکیر کی شکل اختیار کر لیتا ہے) پر پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میں یونانی اور ہندستانی فوجوں کی خونریز لڑائی میں شامل ہوں ہاتھیوں کی چنگھاڑیں،

تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی باڑ کی سنسناہٹ میرے رگ و پے میں عجیب سی ہلچل مچا رہی ہے پورس کو عظیم الجثہ شاہی ہاتھی پر سوار اپنے سپاہیوں کو حملے اور دفاع کے احکامات دیتے دیکھ رہا ہوں یونانی حملہ آوروں کی مایوسی، بے چینی اور پھر سے اعتماد کی بحالی بھی مجھے نظر آ رہی ہے سکندر تو اپنے جلو میں پانچ ہزار ہندستانی سپاہی سلطنت ٹیکسلا سے لے آیا ہے لیکن پورس کو ابھی اپنے نام نہاد اتحادی ابھیشر لیس کی کمک کا انتظار ہے جو وقت پہ آ جاتی اور ابھیشر لیس پورس کے خلاف حسد کا شکار نہ ہوتا تو تاریخ کچھ اور انداز میں رقم ہوتی۔

ترجمہ کرتے ہوئے میں نے بہترین صلاحیتوں سے کام لینے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن انگریزی زبان کے مقابلے میں چونکہ اُردو ایک نئی زبان ہے لہٰذا اُس کی محدود گرائمر کا مجھے قدم قدم پر احساس رہا کئی ایسے الفاظ اور محاورات تھے جو اگر مناسب اردو الفاظ سے نہ مزین کئے جاتے تو مفہوم کے ساتھ تاریخی حقائق بھی بدل جاتے تاہم محترم فرخ سہیل گوئندی کے مطالعے نے مجھے ہر موڑ پر رہنمائی فراہم کی خطہ سندھ سے سینکڑوں میل ادھر ہی دریائے انڈس (یہ نام بین الاقوامی سطح پر مشہور ہے) کو دریائے سندھ لکھتے ہوئے مجھے کافی جھجک محسوس ہوئی محترم فرخ صاحب کا اصرار تھا کہ میں دریاؤں کے یونانی نام اور بعض یونانی الفاظ اسی طرح بیان کروں کیوں کہ قاری کو معلومات حقیقی روح کے ساتھ ملنا چاہیے میں نے ایسا ہی کیا ہے۔

ایم وسیم

1

پورس کا خاندان

1

پورس کا خاندان

پورس نام کے کئی پس منظر بتائے جاتے ہیں۔ پورس یا پوروس کو پورانی دور کے نام پاؤروا کے ہم معنی کہا جاتا ہے۔ تاہم بوہلن کا خیال ہے کہ پورس دراصل پاؤرس سے نکلا ہے۔ یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم کتاب "مہابھارت" میں کئی مقامات پر پاؤرس کو پاؤروا کے مترادف قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم مورخ ہمیشہ پاؤرس کو پاؤروا کا ہم معنی قرار دینے میں الجھن کا شکار رہے ہیں کیونکہ دونوں نام پورو سے نکلے ہیں جس کا قدیم ہندوستانی تاریخ میں نہایت اہم کردار رہا ہے۔ ویدوں میں ہمیں پوروں قبیلے کا ذکر ملتا ہے جس کا مخرج ہند ایرانی لفظ پورو سے ہے اس کا مطلب "ترک کرنا" یا خالی کرنا ہے۔ قدیم دیومالا "اوست" میں پاؤرو کا بیان ملتا ہے۔ آ چمنی شہنشاؤں نے پارو کو انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔

رگ وید (1,36,1) کے ایک پیرے میں سیان نے پورو کو "کئی یا متعدد" کے معنوں میں بیان کیا ہے۔ گرفتھ نے اس پیرے کو اپنے ترجمے میں اسطرح استعمال کیا ہے "خدا کی بندگی کرنے والے 'کئی' خاندانوں میں سے ہاں 'وہ' بھی شامل تھا جس کی سب تعریف کرتے تھے"

پاسکا نے پورو کے معنی "انسان" تحریر کیے ہیں۔ ویدک بھجنوں میں ہمیں اس نام کا ایک قبیلہ ملتا ہے جس کا سردار "پوروکو" تھا۔ پرانوں اور مہابھارت میں ہمیں پوروں کی دیومالائی تاریخ کا ذکر ملتا ہے ان کی تحقیق تھی کہ ان کا پرکھ "پورو" ڈکسا اور آدیتی والدین کی اولاد تھا جن کے فرمانروا بچوں میں ویوسون، الا، پورووا، آئیو،

ناحوسا اور یایتی بھی شامل ہیں۔ آخری بادشاہ یایتی کی دو ملکہ دیویانی اور شرمستھ تھیں۔ پہلی ملکہ سے یادو تر واس جبکہ مئوخر الذکر سے دوروہی، انو اور پورو نے جنم لیا۔

پورو اس طرح سے پاؤروں کا جد امجد تھا۔ رگ وید میں دس بادشاہوں کی جس لڑائی کا ذکر ملتا ہے اس میں پوروں کی قیادت پوروکس نے کی جس نے سدوں کے بادشاہ رتسو بھارت کے مقابلے میں یادو تر واشس، بھرگو، دروحیو، پکتا، بھلنا، الینا، شوا، وشمن اور انو قبائل سے اتحاد قائم کیا۔ اتحادی فوجیں راوی کے قریب خیمہ زن ہوئیں جبکہ شاہ بھارت کے دستوں نے دریائے سرسوتی کی طرف پیش قدمی کی۔ برسات کے موسم کی وجہ سے دریا بپھرے ہوئے تھے اور انہیں پار کرنا مشکل تھا۔

شاہ بھارت واسستھ کی زبردست قیادت میں سدا فوج نے دریا عبور کر لئے اتحادی فوج نے ان پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن دریائے راوی کا رخ چھوٹی نہریں کھود کر تبدیل کرنے کی کوشش کے دوران پانی اتحادیوں کے اپنے معسکر میں پھیل گیا اور بڑی تباہی ہوئی۔ اس صورتحال سے سدوں کی مشکل میں کمی ہوئی اور ان کے لئے کامیابی کا ایک سنہری موقع پیدا ہو گیا۔

شاہ بھارت نے دشمن کے مضبوط گڑھ ختم کرنے کے بعد سات قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ دس اتحادی قبائل کے سربراہ پوروکس کو شکست فاش ہوئی اور اسے کئی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا شاید اسے قیدی بنا لیا گیا۔ اس برے وقت میں اس کی بیوی پوروکسانی نے تراسے داسیو کو جنم دیا جس نے آنے والے وقت میں خاندان کو حالات کے بھنور سے نکال لیا۔

تراسے داسیو نے اپنے قبیلے کی تتر بتر فوج کو اکٹھا کیا اور پوروں کی کھوئی ہوئی عظمت اور خوشحالی بحال کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اتفاقاً اس دوران سدوں کی سلطنت ایک بحران کا شکار ہو گئی اس کے جانشینوں نے واسستھ کے بیٹے شکتی کو آگ میں جلا ڈالا اس اقدام نے واسستھ کے قبیلے کو مشتعل کر دیا اور انہوں نے بھارتیوں سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تراسے داسیو نے دریائے سرسوتی کی جانب پیش قدمی کی اس نے کئی قلعے فتح کئے متعدد کو ملیا میٹ کر دیا اور بھارتیوں کی سلطنت کو پاؤں تلے روند ڈالا اس کے نتیجے میں ''پورے'' جمنا اور سرسوتی تک سارے پنجاب پر قابض ہو گئے کچھ عرصے بعد ان کے حریف بھارتی باشندے ان کے ساتھ مل جل گئے اور یہ

لوگ پورو۔ بھارتی کہلانے لگے۔

تراسے داسیو کا بیٹا ہرانن اور بعد میں جانشین ترکسی، ٹریارونا اور کروشروان نے تاریخ میں اہم مقام حاصل کیا لیکن پنکلوں اور کوروں جیسے نئے قبائل منظر عام پر نمودار ہوئے اور پورو۔ بھارتی حکمرانوں کے لئے مشکلات پیدا کیں۔ مہابھارت کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح پنکلوں نے پورو، بادشاہ سموارانا کو شکست دی اور اسے اس کے خاندان سمیت دریائے سندھ کے کناروں کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کردیا جہاں اس نے واسشتھ کو اپنا گرو تسلیم کرلیا اور اس کی رہنمائی میں کھوئی سلطنت حاصل کرنے کیلئے میدان میں کود پڑا۔

پرانوں کی ایک روایت ہے کہ سموارانا کے ملکہ تپتی کے بطن سے بیٹے کورو نے اپنی سلطنت کو پراگ (موجودہ الہ آباد) تک وسعت دے دی بعد میں اس نے دیوتاؤں کو قربانی نذر کی۔ اس عظیم بادشاہ نے پوروؤں اور کوروؤں کے اتحاد کو نئی روح بخشی اس واقعے کا ذکر رگ وید میں نہیں ملتا قدیم روایتوں میں اگرچہ کاؤرین اور کوروسوانا کے حوالے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ''کورو'' نام جس کے معنی ''لوگ یا عوام'' بنتے ہیں، سے اچھی طرح واقف تھے انہیں روایتوں میں ''کورکشتر'' کے بارے میں نہیں بتایا گیا یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس وقت یہ مقدس عہد نامے لکھے جارہے تھے کوروؤں کو چنداں اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ''کورے'' ایرانی النسل تھے۔ جن کا دیس کوہ ہمالیہ کے اس طرف وادی ''ترم'' تھی۔ ہندی ادب میں اسے ''اترکورو'' کے طور پر جانا جاتا ہے یہ لوگ مغرب میں ایران، اناطولیہ اور جنوب میں پنجاب اور وادی گنگا کے وسیع علاقوں میں پھیل گئے تھے شمال مغرب میں انہوں نے پوروں جیسی شناخت حاصل کرلی جس کا ذکر قدیم روایت میں ملتا ہے اور مشہور ہے کہ کورو پورو بادشاہ سموارانا کا بیٹا تھا۔

پوروکوروؤں نے شمال مغرب میں پنجاب، اترپردیش سے الہ آباد تک علاقے پر قبضہ کرلیا۔ پرانوں کے ایک نسخے میں درج ہے کہ کورو کے تین بیٹے پارکسیتا، جنہو اور سدھنوان تھے متوخرالذکر ایک طاقتور

• ''پرانا جات'' قدیم ہندوستان کے حالات پرمبنی تاریخی مسودے اور حوالے ہیں۔ انہیں ہندوؤں میں مقدس دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ (مترجم)

حکمران تھا جس کا ایک بیٹا ''جنم جایا'' تھا۔ دونوں باپ بیٹوں نے کورکشتر کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ بعد کے ویدوں میں ان فرمانرواؤں کے دور کی خوشحالی پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے اتھروا وید (7-10,127,xx) میں بتایا گیا ہے کہ پارکسیتا کے دور میں دودھ اور شہد کی اتنی فراوانی تھی کہ مہمانوں کو میزبان کے گھر میں پانی حاصل کرنے کے لیے مشکل کا سامنا رہتا۔ اس کا بیٹا جنم جایا بھی ایک مشہور فاتح اور سخی دل حکمران تھا۔ اسے ہندوؤں کی رسم ''اشوا میدھ'' ادا کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ جنم جایا کے بیٹے سرت سین، اگرسین اور بھیم سین کا ذکر بھی کیا گیا ہے لیکن ان کے بارے میں مزید کوئی تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔ اس کے بعد ''جنہو'' کے بیٹے سرتھ اور اس کے جانشینوں کا پاؤرو سلسلے کے حکمرانوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔ سدھنوان فرمانرواؤں کو چیدی اور مگدھ شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پرتیپ کو زمانے کی دھند کی نذر ہو جانے والے پاؤرو خاندان کی قوت بحال کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اس کے تین بیٹے دیواپی، بلہیکا اور سنتانو تھے۔ بڑا بیٹا ذہنی طور پر پسماندہ جبکہ منجھلا چھوٹے بھائی کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ سنتانو کا ملکہ گنگا سے ایک بیٹا بھیسما اور ستیاوتی سے دو بیٹے چترن گدا اور وچتر وریا تھے بھیم نے دنیا تیاگ کر تخت اپنے سوتیلے بھائیوں کے حق میں چھوڑ دیا۔ چترن گدا گندھاروں سے لڑائی میں کام آ گیا جبکہ وچتر وریا کوئی قابل ذکر کام کیے بغیر انتقال کر گیا۔ ویاسا کے دو بیٹے دھرتا رستر اور پانڈو تھے۔ ان کی ماں وچتری وریا تھی انہی بادشاہوں کے جانشین بعد میں کورے اور پانڈے کہلائے۔ ایک روایت کے مطابق کوروں اور پانڈوں کی کشمکش سے مہابھارت جیسی جنگ عظیم لڑی گئی نتیجتاً پورو۔ کورے کمزور ہوتے چلے گئے۔ مہابھارت میں ہے کہ اس عظیم جنگ میں پنجاب کے قبائل نے کوروں کا ساتھ دیا۔ ان میں سندھو ساؤورا کا فرمانروا جیادراتھ، گندھارا کا ساکونی، کمبوجوں کا بادشاہ سدوک سین، ترائی گرتا کا سرما، مدراس کا بادشاہ سلیا، امبستھوں کا سردار سری تایو، اسی طرح کیکیاس، سبی، ولیکوں، کسدروکوں اور ملاوں کے سردار شامل ہیں۔ مخالف فریق کی حمایت میں صرف ابھیشر سے (پونچھ۔ راجوڑی) میدان میں اترے۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ کوروں کی پنجاب اور شمال مغرب پر مضبوط گرفت تھی جس کی بنا پر وہ وہاں کے باشندوں کا تعاون اور مدد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

پانڈے جو کچھ بھی تھے بہر حال پنجاب میں باہر سے آئے اسی لئے انہیں یہاں کے باشندوں کی مزاحمت

کا سامنا کرنا پڑا اس لڑائی کا نتیجہ کوروں کی شکست اور ناکامی کی صورت میں نکلا انکی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ پنجاب اور شمال مغرب طوائف الملوکی اور قابل رحم حالات کا شکار ہو گئے۔ ایک روایت ہے کہ پانڈوں کے بادشاہ پارکسیتا کو ناگا بادشاہ تاکسا کا نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سانحے کے بعد مقتول بادشاہ کے بیٹے جنم جایا نے سانپ کی قربانی دی جو اس بات کا اظہار تھا کہ وہ ناگا بادشاہ سے ہر صورت میں انتقام لے گا۔ جنم جایا نے پہلے ٹیکسلا کو پایہ تخت بنایا لیکن وادی گنگا کے عین وسط میں ایک سیاسی بحران نے اس کے جانشینوں کو ہستنا پور سے ہٹنے اور مشرق میں کاسبی میں ڈیرے لگانے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد پرانوں میں پنجاب اور شمال مغرب کا بہت کم ذکر ملتا ہے اور زیادہ واقعات مشرقی بادشاہتوں کے بارے میں ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس وقت پنجاب میں صورتحال غیر یقینی تھی۔

اگرچہ پرانوں کی بتائی گئی غیر اہم معلومات پنجاب کے معاملات پر کوئی قابل ذکر روشنی نہیں ڈالتیں تاہم بدھ مت کے قدیم نسخوں میں طاقتور گندھارا ریاست کا ذکر ضرور ملتا ہے جس پر 6 صدی قبل مسیح میں پرعزم بادشاہ پکوتی حکمران رہا ہے۔ اس فرمانروا کے بمبیسر اور مگدھ کے بادشاہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رہے تھے۔ پکوتی نے آونتی کے شاہ پرادیوتا کے خلاف مہم کی منصوبہ بندی کی۔ اس نے آچمینی فاتح سائرس اعظم کے ساتھ پہلے دوستانہ مراسم رکھے پھر جارحانہ رویہ اختیار کر لیا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس نے اپنی سلطنت کو پنجاب میں راوی اور ملتان تک پھیلا دیا تھا۔ جتاکا کی ایک داستان میں ہے کہ کشمیر گندھارا سلطنت کا حصہ بن گیا۔ یونانی مصنف سٹرابو نے بھی چناب اور راوی کے درمیان رہنے والے ایک قبیلے گندری کا ذکر کیا ہے اس طرح ملیس کے مورخ ہیکاٹاکس نے ''کسپاپارو'' یا کشی پاپورا (موجودہ ملتان) کے بارے میں ہمیں بتایا ہے جو گندھارا سلطنت کا حصہ تھا، یہ بات بالکل عیاں ہے کہ گندھارا کے دارالحکومت ٹیکسلا کو اس وقت علم و ہنر اور تجارت کے بہت بڑے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔

ایران میں آچمینیوں کی تیزی سے بڑھتی قوت نے گندھارا کی نشوونما اور بالآخر اس کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ 520 سے 515 قبل مسیح کے درمیان عظیم ایرانی فرمانروا دارا (486-522ق م) نے گندھارا اور سندھ کو فتح کر لیا۔ ژرکیس نے بھی خطے پر تسلط جمایا لیکن آرتاژرکیس کے وقت سے آچمینی شہنشاہیت کا زوال شروع ہو چکا تھا اور گندھارا، سندھ سمیت شاید کئی دیگر صوبے اس کے اثر سے نکل کر

خودمختار ریاستیں بن گئے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سکندر کی تاخت کے وقت شمال مغرب میں ہمیں آ چمینی حکومت کی بمشکل موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

اس اثناء میں پوروں نے دوبارہ خود کو منظم کر کے جہلم اور چناب کے درمیان ایک سلطنت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ یہ بھی اہم ہے کہ مہا بھارت پوروں کو شمال کے قابل ذکر لوگوں کے طور پر پیش کرتی ہے انہی میں سے ایک قبیلہ پورک تھا۔ مہا بھارت کے مطابق اس قبیلے نے یودھ شٹر کی تخت نشینی کے جشن کی تقریب میں حاضری دی یہ قبیلہ کشمیر، کندمان، ھنسکیاں، سبی، تراگرت، یودھیا، مدراس اور کیکیاس کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ موتی چندر کا خیال ہے کہ اس قبیلے کا اصل وطن چترال ایجنسی میں ''یاسن'' کا علاقہ تھا کیونکہ یاسن اور چترال کو بعض اوقات ان کے مشرقی ہمسایہ پور اور ان کے وطن پوریا کے حوالے سے پکارا جاتا ہے۔

مہا بھارت کے باب (V,50,208) میں ہے کہ پوروکوں نے یودھ شٹر کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی لیکن بڑے قبیلے ''پورے'' نے دریودھانا کا ساتھ دیا اور بے جگری سے لڑا جیسا کہ ہم بعد میں اس کی تفصیلات بیان کریں گے۔ مہا بھارت کے علاوہ برھاسمتھ اور وراہمیرا (7-26 ق م) میں بھی پوروں کا تعلق ٹیکسلا اور پشکلاوتی کے لوگوں سے جوڑا گیا ہے جو مدرکا اور مالوہ کے باسی تھے۔ اس تمام بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاسی تبدیلیوں اور بادشاہتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کے باوجود ''پورے'' مسلسل مغربی پنجاب اور شمال مغرب میں مقیم رہے یعنی سر اورل سٹین کے بیان کے مطابق ''پورے'' دیو مالائی کردار پورو کے دور سے جو اپنی حسین و جمیل بیوی کے ساتھ نندانا میں رہتا تھا، یہاں آ بسے، نندانا دریائے جہلم کے کنارے کوہ نمک کے درمیان ایک علاقہ تھا اس کے قریب ہی راجا پورس کی سلطنت تھی جس نے سکندر اعظم کی ہندوستان پر چڑھائی کے وقت سخت مزاحمت کی ''پورے'' دریائے جہلم کے پانی سے سیراب ہونے والے علاقے سے مستقل طور پر وابستہ رہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں قسمت نے دوبارہ انہیں پورس کی بادشاہت میں عروج بخشا۔

2

پورس کے عروج کے وقت کا پنجاب

2

پورس کے عروج کے وقت کا پنجاب

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح کوروں کے زوال نے پنجاب میں کئی بیرونی عناصر کے گھسنے کی راہ ہموار کردی۔ ستی کی رسم کے قائل پولیاندرس لوگ جن کا پانڈے کے نام سے تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ دراصل ایران کے خانہ بدوش عناصر کی نمائندگی کرتے تھے ان کی تقلید میں کئی غیر ملکی جنگجو قبائل جیسے، جارتا (جدید جٹ) ابھیرا (موجودہ آہیر) بلہیکا (بہل) اورواہی سرزمین پنجاب میں داخل ہوئے۔ مہابھارت کے باب دیوگا پروان (iv,8,3-4) میں بتایا گیا ہے کہ یہ وحشی قبیلے کمانوں، نیزوں اورڈھالوں جیسے انوکھے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ علاوہ ازیں انکے پاس ہندوستانی لوگوں کے لئے غیر معروف پھندے، گاڑیاں، مقامی لباس، زیورات اور نقل وحمل کے وسائل موجود تھے۔

آ چمینی دور میں بعض ایرانی اور آ یونی لوگوں نے پنجاب میں سکونت اختیار کرلی۔ ٹیکسلا عرصہ دراز تک ایرانیوں کی نوآبادی رہا اور موجودہ دور کے ایرانیوں نے اس دعوے کو ثابت کیا ہے اس طرح "میگرام" اور "نیسا" یونانیوں کی نوآبادیاں رہیں۔ مشرقی تحقیق سے گندھارا میں آ چمیئوں کے اشارے پر یونانی راجا سوفیس اپنی رعایا کے ساتھ آباد ہوگیا۔ پہلے ان کی سلطنت کا مرکز دریائے سندھ اور چناب کے درمیانی علاقے میں تھا بعد ازاں وہ دریائے راوی اور دریائے بیاس کو نقل مکانی کر گئے انہوں نے کاٹھیاں اور کاٹھ کو مشرقی پنجاب میں اپنا مرکز بنالیا ان کے درمیان شادیاں جہیز یا دولت کی بنا پر نہیں

بلکہ شکل وصورت کے لحاظ سے ہوتی تھیں صرف صحتمند بچوں کی زندہ رکھا جاتا تھا۔

سٹرابو اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "پیدائش کے بعد جب ایک لڑکا دو ماہ کا ہو جاتا تو ایک حکیم اس کا معائنہ کرتا اگر اس کی جسمانی حالت مروجہ معیار کے مطابق ہوتی تو اس کو زندہ رہنے کا حق مل جاتا۔ دوسری صورت میں اگر اس کے اعضاء معذور یا کمزور ثابت ہو جاتے تو حکیم اس کو زندگی سے محروم کرنے کی سفارش کرتا۔"

پنجاب کے اس معاشرے میں نظم وضبط کے لئے طے کئے گئے اصولوں سے قدیم یونانیوں کی رسومات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں پنجاب کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کی روایات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں کس طرح یونانی طرز معاشرت نے یہاں جڑ پکڑ لی تھی۔ غیر ملکیوں کی پنجاب میں آمد اسی طرح جنگی فنون سے آگاہ مسلح گروہوں کی لوٹ مار سے علاقے کا سماجی ڈھانچہ مسلسل تبدیلی کا شکار رہا۔ مہابھارت میں ہے کہ پنجاب کے جنگجو طبقے پگ، ورت، کول، گان، سرینی اور گراما جیسی تنظیموں میں تقسیم تھے۔ پگ نہایت قدیم قبیلے میں سے تھے۔ ورتوں کو جنگ وجدل کرنے والا جتھا کہا جاتا تھا جن کا کام پرتشدد کارروائیاں کرنا تھا۔ انہیں سرخ اور سیاہ کپڑوں سے شناخت کیا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ ہندوکش کے سُرخ اور سیاہ کافر تھے۔ ورتوں کی بڑی تعداد مل کر "کول" بناتی جن کی قیادت راجنیا وردھے یا بزرگ کرتے کئی کولے مل کر "سمگھا" بناتے جن کے سرداروں کو دوندیو، ورگ، پاس، گریہا جیسے گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گان اور سرینی جتھے فوجیوں یا سورماؤں کی نمائندگی کرتے اور عموماً وہ الگ گروپ کی حیثیت سے رہتے گراے قبائلی گروپوں پر مشتمل تھے، اپنے سردار کو گرامنیا کہتے تھے۔ ان جتھوں، قبیلوں اور تنظیموں میں جنگجویانہ عنصر غالب تھا اور لڑاکا فوج اور مذہبی پروہتوں میں تمیز کرنا بہت مشکل تھا۔ مہابھارت کے باب کرن پروان میں انہیں "راجیہ جاکا" کہا گیا ہے جبکہ پنی نے انہیں "کستریا جاکا" کے نام سے پکارا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ ذات پات کی قید سے آزاد تھے اور ان کے ڈھانچے پر سماجی تبدیلیوں سے فرق پڑتا رہتا تھا۔

مہابھارت کے باب ہشتم 45,6-7 میں بتایا گیا ہے کہ ایک برہمن لڑاکا فوج میں شامل ہو سکتا ہے اور اسی

طرح ایک جنگجو مذہبی رنگ اختیار کرنے میں آزاد تھا یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے بعض دودھ پیتے، سور، مرغی، گائے، گدھے، اونٹ اور بھیڑوں کا گوشت کھاتے تھے۔ قدیم باشندوں کی طرح یہ لوگ پیاز، تھوم، شراب اور "رم" کا استعمال کرتے تھے ان کی باغیانہ روش، آزاد فطرت، گروہ بندی، شاہی نظام کی مخالفت، سیاسی استحکام اور اختیارات کی مرکزیت سے انکار کی بنا پر انہیں تاریخی حوالوں میں ارسترک، پراکرت، ارات یا جدید لغت میں "اروده" کہا گیا ہے جس کا مطلب "بے وطن لوگ" ہے انہیں چوراگن یا لٹیروں کا گروہ بھی کہا جاتا تھا۔

آریاؤں نے انہیں خود مختار لوگ کہا ہے جبکہ جسٹن انہیں چور کہتا ہے انہی جنگجو قبائل سے بالکل مختلف ایک مہذب شہری معاشرہ بھی ہخمنی حکمرانوں کے زیر اثر نشوونما پا رہا تھا۔

سٹرابو لکھتا ہے کہ جہلم اور بیاس کے درمیان کم از کم 500 شہر آباد تھے۔ پانی نے 750 قصبوں کے نام گنوائے ہیں جن میں سے بعض میں قبائلی نما ریاستی اکائیاں موجود تھیں انہیں "جناپد" کہا گیا ہے۔ راوی اور چناب کے ساتھ آریاؤں نے گلاکنوئی کی سلطنت جو جہلم، چناب اور راوی کے درمیان قائم تھی، کے بارے میں تصدیق کی ہے کہ اس کے سب سے چھوٹے شہر کی آبادی بھی 5 ہزار باسیوں سے کم نہیں تھی۔ ہاں کئی شہر 10 ہزار سے اوپر آبادی پر مشتمل تھے۔

ہخمنی تسلط کے خاتمے کے بعد پنجاب کی تیزی سے بڑھتی آبادی عدم استحکام اور ایسی الجھن کا شکار ہوتی چلی گئی جس کا نتیجہ نئے معاشی سیاسی نظام کی صورت میں برآمد ہوا۔ سکندر کی آمد سے ایک نسل قبل سنسکرت کا انشاپرداز پانی دریائے سندھ کے معروف علاقے "اٹک" کے قریبی گاؤں سلاتر میں پیدا ہوا اس نے پنجاب کے علاقوں کی جھلک اور نقشہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"شمال مغرب کے پہاڑی باشندے جن میں وادی کنہڑ کے آشویان اور وادی سوات کے آشواکیان شامل تھے، نے مشکاوتی اور وران جیسے مضبوط گڑھ کے ساتھ خود مختار قبائلی زندگی گزارنا شروع کردی تھی۔"

ان کے پاس حکمرانی کا پورا سیاسی ڈھانچہ موجود تھا۔ دریائے کابل اور سندھ کے خطے میں آشنی (موجودہ شنواری) کرمپن (موجودہ کرشبون) اپرت (آفریدی) مدھومنت (مہمند) ہرواگویا (موجودہ ہادے)

روہت گریا (موجودہ افغان روہس) قبائلی بھرپور انداز میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ تمام باشندے آج کل کے قبائلیوں کی طرح لوٹ مار میں مصروف رہتے" پہاڑی علاقوں سے تعلق کی بناء پر انہیں پروتی ایودھا جیوئی کہا جاتا تھا۔ ان قبائل کے ساتھ بعض ایرانی باشندے بھی مقیم تھے جنہیں پانی اور یونانیوں نے پرسو کہا ہے۔

نیسایا نائسا کی طرح چین جالی نے اسے جناپد لکھا ہے۔ سلطنت گندھارا دو حصوں میں تقسیم تھی جن میں سے ایک کا پایہ تخت پشکلاوتی، آجکل چارسدہ کے قریب ہشنگری، اور دوسرا تکسلا، راولپنڈی کے قریب ٹیکسلا کا شہر، پہلے حصے پر ہستنایان اور دوسرے پر امبھ حکمرانی کرتے تھے۔ سکندر کے حملے کے وقت انہیں بالترتیب آستے اور اومبھی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ستلج کے علاقے تک جنوبی گندھارا کے وسیع میدانی علاقے جسے واہیکا کہا گیا ہے، پر ایک دوسرا قبیلہ ایودھا جیو سنگھا پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ بھی جنگجوانہ خصلت کے مالک تھے۔ ان میں سے بعض ذات پات میں تقسیم تھے اور کچھ نے قبائلی طرز زندگی اپنا رکھا تھا۔ برہموں کے جنگجو گروہوں میں سے ہمیں گوپالوہ کا ذکر ملتا ہے ان میں سے کھشتریوں میں سے ایک گروپ راجنی تھا۔ مہابھارت ہمیں برہموں کی شاخ وتادھن کے بارے میں بتاتی ہے۔

یونانی تاریخ دان تلمبہ کے شمال مغرب میں 20 میل کے فاصلے پر برہموں کی ایک آبادی اثاری کا ذکر کرتے ہیں۔ پانی نے راجنوں کے علاقے ایودھا جیوی سنگھا کا ذکر کیا ہے جو غالباً ہوشیار پور کے قریب واقع تھا کیونکہ یہاں سے ملنے والے بعض قدیم سکے اس خیال کو تقویت پہنچاتے ہیں ان میں بعض تجارت پیشہ افراد اسلحے کا کاروبار بھی کرتے تھے اور انہیں "ورت ستروپ جیوئی" کہتے تھے اسی طرح شودر بھی دیگر گروہوں کی طرح لڑائی کو پیشے کے طور پر اختیار کرتے تھے۔ پانی شودروں اور چین جالی کو ابراہمنک "جناپد" کے نام سے بیان کرتا ہے جو بظاہر سودارائیوں کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سودرائی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سندھ میں سکندر اعظم کے خلاف سخت مزاحمت کی تھی۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً تمام گروپوں نے کورو سلطنت اور ہچھمنی اقتدار کے خاتمے کے بعد کی غیر یقینی صورتحال میں خود کو فوجی انداز میں منظم کر رکھا تھا۔ ان گروہوں نے اگرچہ اپنی پرانی ذات

برقرار رکھی۔ تاہم لوٹ مار کرنے والے غیر ملکی حملہ آوروں کی طرز پر انہوں نے مسلح جتھے تشکیل دے دیے اور اپنے دفاع کے لئے چھاؤنیاں اور کیمپ قائم کر لئے۔ فوجی پیشہ اختیار کرنا پنجاب کے سماجی ڈھانچے میں ایک مقبول عمل تھا جو دراصل ان گروہوں کی تحریک اور باہمی برابری کا باعث تھا۔ ایودھاجیوی سنگھا کی اصطلاح بھی ان گروہوں میں برابری کی روح کو ظاہر کرتی ہے۔

سلطنت وہیک میں ایودھاجیوی یا فوجی قومیتوں کے علاوہ پانِنی اس دور کے ورکا، موجودہ ورک، باینجاوپی موجودہ باجوے، بلہیکا موجودہ بھل، ورتیا آج کل باتر، دھرتیا موجودہ دت وغیرہ سمیت متعدد بڑی قبائلی اکائیوں کی تفصیلات پر روشنی ڈالتا ہے۔ تاہم ان میں سے اہم کشودرک اور مالوے تھے۔ یہ لوگ ماضی میں پنجاب کے بڑے قبیلے "مدر" کے جانشین تھے۔

پانِنی باب ہفتم 3,13 اور باب ششم 2,108 میں بیان کرتا ہے کہ مدرے دو گروہوں میں تقسیم تھے۔ اپرا مدر قبیلے چناب اور جہلم کے درمیانی علاقے ضلع گجرات میں مقیم تھے

اس طرح دوسرا گروپ پروامدر چناب اور راوی کے درمیان گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا ان کا مرکزی شہر مسکالا دریائے ایگا کے کنارے واقع تھا۔

یہ شہر آج کل کے سیالکوٹ کی طرح جدید تھا جو نالہ ایک کے ساتھ قائم ہے۔* "ایک" پہاڑی سلسلے سے نمودار ہونے والا نالہ تھا جو ضلع جھنگ کے علاقے شورکوٹ سے اڑھائی میل دور جا کر غائب ہو جاتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان میں سے دیہی طبقے کو مالا کے طور پر جانا جانے لگا تھا۔ اس وقت پراکرت زبان میں "در" کو ثانوی حیثیت مل گئی تھی۔ اس طرح ان کی ایک شاخ بھدر کی پہچان بھلہ کے طور پر ہونے لگی آج کل بھی انہیں بھلہ کہا جاتا ہے۔

مدروں نے اس دوران سلوؤں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ مہابھارت نے ذکر کیا ہے کہ ایک مدری شہزادی ملاوی کی شادی سلوے شہزادے ستیاون کے ساتھ ہو گئی۔ ان دونوں کے ملاپ سے

---

* سیالکوٹ شہر کے قریب برساتی نالہ "ایک" آجکل بھی موجود ہے۔ (مترجم)

مالووں نے جنم لیا۔ سلوے ان دنوں وادی کانگڑہ سے یمونہ کے درمیان آباد تھے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ مدروں یا مالووں کی ذیلی شاخ ہونے کی حیثیت سے انہیں کوشدرک مالوے یا جونیئر مالوے کہا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ لوگ دو الگ شاخوں میں تقسیم ہو گئے اور انہیں کوشدرک اور مالوہ کہا جانے لگا۔ مہابھارت کے مطابق یہ قبیلے خطے کے مشرق میں راوی اور بیاس کے درمیانی علاقے میں رہنے لگے۔ اس وقت اس علاقے کو مدھیہ میکا اور آجکل ماجھا کہا جاتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وادی کانگڑہ کے داخلی علاقے گورداسپور کے شمال میں ریاست ہائے سس ستلج موجودہ دور کا مالوہ ہے۔ آجکل بھی گگھر اور ستلج کے درمیانی علاقے کو مالوہ اور یہاں کے باشندوں کو مالوے کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ صورتحال یونہی نہیں رہی بلکہ چوتھی صدی قبل مسیح میں شمال کے لوگوں کے دباؤ پر مالوے اور ان کے دیگر قبائلی بھائی کوشدرک جنوبی پنجاب کی جانب ہجرت کر گئے۔ سکندر کی چڑھائی کے موقع پر مالوے چناب اور راوی کے دوآبے سے لے کر چناب اور سندھ کے وسطی خطے تک پھیل چکے تھے۔ ان کے ہم قبیلہ کوشدرک راوی اور ستلج کے علاقے بہاول پور میں مقیم تھے ان کا اقتدار ستلج کے سندھ سے ملاپ کے قریبی علاقے اُچ تک وسیع تھا۔ اس وقت کے مشہور دیگر قبائل میں بی موجودہ چب، وساطی موجودہ صوتی، امباستھے اور یودھے شامل ہیں۔

روہتک۔ اگروہ خطے میں روہتک قیام پذیر تھے۔ یہ لوگ افغانستان کے قبیلہ روہ کے جانشین قبیلے روہے یا لوھے کی نسل تھے۔ لگتا ہے کہ انہوں نے نقل مکانی کر کے موجودہ علاقے ہریانہ کو اپنا وطن بنا لیا تھا اُن کے علاوہ آگریہ تھے جو آجکل کے اگروال ہیں اس طرح دیگر باشندے تھے۔ خطہ وہیکا کے ساتھ پٹنی ایک اور شاخ ترا گرت شاستھ کا ذکر کرتا ہے جو کونڈوپرتھ، ڈنڈکی، کراوشکی، جلسانی، برہم گپت اور جانکی جیسے چھ جنگجو قبائل پر مشتمل تھی۔

مہابھارت بھی ہمیں ترا گرت کے سمشاپتک قبیلے کے بارے میں بتاتی ہے جو جنگ میں "فتح یا موت" کے نعرے کے ساتھ اترے تھے۔ ترا گرت کا مطلب ہے ایسی سرزمین جو تین دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ یہ خطہ جالندھر سے راوی اور منڈی، سیوکت سے ڈھولدار تک

پھیلے پہاڑی ملک پر مشتمل تھا۔اس کی شمالی سرحدیں وادی کولوتک وسیع تھیں۔

آچمینیوں کے زوال اور مقدونوی حملہ آوروں کے شروع کے دور میں پنجاب کا منظر نامہ بتدریج تبدیلی کی زد میں رہا۔سکندر دور کے بعض مورخ ہمیں ان معاشی سیاسی تبدیلیوں کی ہلکی سی جھلک دکھاتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں۔

''دریائے کابل کے شمال میں پہاڑی ملک میں ہند ایرانی نسل کے آسپایانی اور آشاکنوئی لوگ بسے ہوئے تھے'' ممکنہ طور پر یہ آشویان اور اشوکیانی لوگ کمبوجہ یا آجکل کے کبوہ قبیلے تھے۔ان کے مضبوط مراکز مساگا، باجوڑ اور آورنو جیسے پہاڑی علاقے رہے ہوں گے۔ مغربی گندھارا کئی شہروں میں تقسیم تھا جن پر کوفیا (کوبھیش) اسا گت (اشواجت) اور آستس (ہستن) سردار حکمران تھے۔مشرقی گندھارا اومبھس (امبھی) کے تحت تھا۔یہ اسھ قبیلے کے ارکان تھے۔

کشمیر بالخصوص پونچھ راجوڑی پر خودمختار بادشاہ ابھیسارس (ابھیشر لیس) حکومت کرتا تھا۔ان کے ساتھ جہلم کے شمال میں گلاوسی (گلاوکیانی) اس طرح یہ بھی باجوڑ کے علاقے تھے۔دریائے جہلم کی اوپر والی جانب مشرق میں چناب کے علاقے میں پورس کی سلطنت تھی۔ چناب اور راوی کے درمیان اس کا ہم نام نوجوان بھتیجا پورس حکمران تھا۔راوی کے مشرق میں بیاس تک کھتیانے (کاٹھے) اور صوفائٹس (سوبھ) لوگ آباد تھے جو دریائے جہلم کے علاقے سے نقل مکانی کرکے یہاں آئے تھے اس کے بعد پنی شاہ پھیگلہ یا پھیکس یا بھاگلا کا ذکر کرتا ہے۔

بیاس کے مشرق میں ملک بہت زرخیز تھا اور وہاں کے باسی نہ صرف زبردست قسم کے کاشتکار بلکہ مرد میدان تھے ان کے پاس ایک منظم حکومت کے تحت مثالی نظام موجود تھا ان کا حکمران طبقہ اپنے اختیارات انصاف اور اعتدال کے ساتھ استعمال کرتا، ان کے ہاتھیوں پر مشتمل دستے دیگر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ مضبوط تھے۔بلاشبہ یہ مالوے اور یودھے جیسے قبائل کی شاخیں تھیں۔

جنوبی پنجاب میں ملاوی (مالوے) اوکسدرائی (کوشدرک) سیوئی (سبی) الکشیانی آرکشانئے (آگرے) اوساروئی (وساطی) ژتھروئی (کستر گانا) اور دیگر نیم جنگجو قبائلی آباد تھے۔ ان لوگوں کے پاس باقاعدہ قیادت والے منظم ادارے موجود تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ شمال کے حملہ آوروں کے دباؤ پر جنوب کی طرف نقل مکانی کر گئے تھے۔

اس تمام سماجی سیاسی پس منظر اور حالات کے بیان کا مقصد پورس کے عروج کے دور کو اچھی طرح قابل فہم بنانا ہے۔

3

پورس کا عروج اور جنوبی ایشیا

3

پورس کا عروج اور جنوبی ایشیا

براعظم ایشیا کی تاریخ کا اہم واقعہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران کی آچمینی سلطنت کا قیام اور پھیلاؤ تھا مغربی ایشیا کے لوگ آشوری حکمرانوں کی تباہ کن فوجی مہم جوئی کے آغاز بالخصوص 745 قبل مسیح میں آشوری حکمران تگلا تھ پلیسر سوم کی دہشت گردی کے باعث سخت خوف و ہراس اور پریشان کن حالات کا شکار رہے اس دوران جنگلی خطے کے خانہ بدوشوں کی ترکتاز نے صورتحال کو بدتر بنا دیا تاہم جب رحمدل اور نرم خو حکمران سائرس اعظم (559-530ق م) نے پریشان حال لوگوں سے امن اور اتحاد کا وعدہ کیا تو اس کی کم سے کم جارحیت کا انہوں نے خیر مقدم کیا اور سائرس اعظم کو نجات دہندہ کے طور پر گلے لگا لیا اس نے شیر دریا سے ایشیا کوچک تک دیگر ریاستوں کے ساتھ بھائی چارہ قائم کیا تاہم اُس نے "لدیا" کے علاقے کو کسی قسم کی رعایت نہ دینے کی حکمت عملی اختیار کی اس نے لدیا کو اپنا صوبہ بنا کر بھی اس کی داخلی خودمختاری میں کم سے کم مداخلت کے اصول پر عمل کیا اس کے معاشی نظام اور ثقافت کو نہ چھیڑا گیا بعدازاں سائرس کے بیٹے اور جانشین سامبس دوم (530-522ق م) نے اپنے بھائی بردیا کی بغاوت کو کچل کر حکومتی انتظام و انصرام میں سختی کی پالیسی اختیار کر لی۔

جب وہ مصر میں لشکر کشی میں مصروف تھا کئی صوبوں نے علیحدگی کے لئے بغاوت کر دی اس طرح ساری سلطنت بدامنی کا شکار ہوتی چلی گئی اور نتیجتاً شہنشاہ کو خودکشی کرنا پڑی اس کے بعد اگلے فرمانروا دارا (522-486ق م) نے 19 جنگوں میں تمام شورشیں فرو کر دیں اس عظیم حکمران نے [illegible]

ایتھوپیا، اسی طرح وادی مہران سے سپاردا تک امن قائم کر دیا۔

ستھیا کی لڑائی میں ناکامی کے بعد اس نے تھریس اور مقدونیہ کو فتح کر لیا ہیلی سپانٹ کو پار کرنے کے بعد اس نے یونانی شہروں پر قبضہ کیا جس کے باعث گندم کی تجارت جیسا اہم کاروبار شروع ہونے کا موقع ملا دارا نے مختلف ریاستوں میں تقسیم شہروں کو بھی للچائی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا غیر ملکی حملہ آور کے ارادے بھانپ کر یہ یونانی شہر باہمی نفاق بھلا کر عارضی طور پر متحد ہو گئے۔

آئیونی شہروں نے بھی بغاوت کی لیکن دارا نے ایک ایک کر کے سب کو کچل دیا اور پھر یونان کو زیرنگین لانے کا فیصلہ کیا سیاسی جماعتوں کی غداری کے نتیجے میں جرنیل میدین اور دتی کی قیادت میں بحری مہم کے ذریعے اریٹیریا پر قبضہ کر لیا گیا تاہم فاتح جرنیلوں نے عبادتگاہیں مسمار کرنے، شہر جلانے، لوگوں کو غلام بنا کر آسوسا بھیجنے کے اقدامات سے یونانیوں کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی ایرانیوں کے خلاف غم و غصے کی لہر پورے ملک میں پھیل گئی وہ اختلافات بھلا کر غیر ملکی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جب 490 قبل مسیح میں دارا میراتھن کے میدان جنگ پہنچا ایتھنز کے باشندوں نے اس کا راستہ روکا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

دارا کے جانشین ژرکیس (465-486 ق م) نے اپنے باپ کی ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے 46 قوموں پر مشتمل ٹڈی دل 29 کمانڈروں کی قیادت میں یونان بھیجا وہ یونان کو ہر قیمت پر فتح کرنا چاہتا تھا تھریس، مقدونیہ اور شمالی یونان کی ریاستوں نے کسی مزاحمت کے بغیر خاموشی سے ہتھیار ڈال دیے لیکن ایتھنز کے وطن پرست عناصر سپرتانوں کی مدد سے ایرانیوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اس میں کوئی شک نہیں ایرانیوں نے یونانیوں کو شکست دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا شہر کو آگ لگا دی گئی تاہم فوجیوں نے ہمت نہ ہاری اور 480 قبل مسیح میں انہوں نے سلامس میں ایرانی بحری بیڑوں کو زبردست زک پہنچائی اگلے برس ایک اور ایرانی جرنیل مردونیس نے ایتھنز اور آٹیکا کے خلاف لشکر کشی کی لیکن یونان کی متحدہ فوج نے پلاتیا کے مقام پر اسے شکست فاش دی یونانی بحری جہازوں نے ایران کے بچے کھچے بیڑے کو ساموس میں تباہ کر دیا اس کامیابی نے یونانیوں میں نئی روح پھونک دی انہوں نے ایتھنز کے محب وطن رہنماؤں کی قیادت میں خود کو منظم کیا اور پورے ملک کو

غیر ملکی تسلط سے آزاد کرالیا۔

شاہ آرٹیکسیر یکس اول (425-465 ق م) کی قیادت میں آئیونی شہروں نے یونانی حکمرانی کا خاتمہ کر کے خود مختاری حاصل کر لی دارا دوم کے دور میں ایتھنز کے زیر اثر کئی علاقوں پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے کئی آئیونی شہروں کو باجگذار بنا لیا تھا آرٹیکسیر یکس دوم (358-404 ق م) کے طویل دور میں آ چمینی سلطنت مسلسل زوال پذیر رہی ایرانی حکومت کی گرفت کمزور ہوتے دیکھ کر یونانیوں نے صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اس طرح ایشیا پر تاخت کا آغاز کر دیا گیا ژینوفون کی 10 ہزار فوج نے بڑے اطمینان سے ''کیونکسا'' کے میدان جنگ تک پیش قدمی کی اس نے سپر تانی سردار ایگسی لیس کی ایشیا کوچک پر چڑھائی کی حوصلہ افزائی کی۔

اسی اثناء میں فلپ نے مقدونیہ میں عروج حاصل کیا اور 338 ق م میں ایتھنز کو سرنگوں کر لیا چار سال بعد اس کے 21 سالہ بیٹے سکندر (الیگزینڈر) نے 30 ہزار فوجیوں کے ساتھ درہ دانیال کو عبور کیا اس کی فوج میں 5 ہزار شہہ سوار بھی تھے۔

جارحیت جو پہلے ہر ایرانی فرمانروا کا خاصا تھا اب یونانیوں کا شیوہ بنا چاہتی تھی ایشیا کی تاریخ میں سکندر کے ہاتھوں ایران کی فتح ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

گرانی کوہ کی جنگ میں ایرانی صوبے دار کی شکست کے بعد سکندر نے ایشیا کوچک پر قبضہ کر لیا ایرانی شہنشاہ دارا سوم یونانی حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لئے آئسوس کے مقام کی طرف نکل کھڑا ہوا اس کے فوجی بے جگری سے لڑے لیکن عین جنگ کے دوران اس کے میدان جنگ سے باہر جانے کے نتیجے میں لڑائی کا پلڑا یونانیوں کی طرف جھک گیا سکندر جنوب کی جانب بڑھا اور فونیقی قصبوں پر قبضہ کرتے مصر جا پہنچا شاید اس نے ایسا اپنے خلاف آ چمینیوں اور ایتھنز کے بحری بیڑوں کے ممکنہ اتحاد کے خلاف پیش بندی کے طور پر کیا کیونکہ ماضی میں ایگسی لیس ایسے ہی حالات کا شکار ہو چکا تھا مصر کی فتح مکمل ہونے کے بعد سکندر نے آ چمینی سلطنت کے قلب پر حملہ کیا اربیلہ اور نینوا کے درمیان اس نے پھر شہنشاہ دارا کو شکست دی یہاں بھی میدان جنگ سے شہنشاہ کے ڈرامائی انخلا سے ایرانی فوج کا حوصلہ پست ہوا اور

اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

اب پورا مغربی ایشیا یونانیوں کے قدموں تلے روندا جا چکا تھا بابل اور سوسا پر قبضہ کر لیا گیا پرسی پولس کے شاندار محلات کو آگ لگا دی گئی سکندر نے پہلے تو آخمینیوں کے پایہ تخت پر قبضہ کیا اس کے ساتھ اس نے نہ صرف بکتریا اور سوگدیانہ کو فتح کیا بلکہ افغانستان کے پہاڑی باشندوں کو تہ تیغ کرتا سلطنت گندھارا اور پنجاب میں گھستا چلا گیا جنوبی ایشیا کے چھٹی سے چوتھی صدی قبل مسیح کے دوران حالات کے مفصل بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں کے اتحاد اور انہیں اپنی سلطنت کو پھیلانے کی سوچ دینے میں آخمینیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔

آخمینیوں نے راج پاٹ کے نئے طریقے متعارف کرائے انہوں نے معاشی اقتصادیات کی نشوونما سے یونان سے گندھارا تک طرز معاشرت تبدیل کر کے رکھ دی چونکہ سائرس کا مقامی خود مختاری کا نظام ناکام ہو گیا اس لئے دارا نے ایسا نظام اقتدار شروع کیا جس کے تحت پوری ریاست 10 صوبوں اور 20 مالیاتی اکائیوں میں تقسیم کر دی گئی ہر اکائی کا ایک گورنر ہوتا تھا جو عموماً ایران کے اعلیٰ طبقے کا رکن ہوتا اس کی مدد کے لئے ایک فوجی جرنیل مرکز کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا ان دونوں حکام کے متوازی ایک ٹیکس کلکٹر بھی ہوتا تھا۔

ان تینوں حاکموں کا عہدہ ایک جیسا تھا اپنی متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ وہ ایک دوسرے کے معاملات پر بھی نظر رکھتے تھے مرکز اور صوبے کے درمیان رابطے کے لئے ایک سیکرٹری بھی مقرر کیا جاتا تھا اس کے ساتھ بادشاہ وقت کی آنکھ کہلانے والے انسپکٹر مختلف صوبوں کا غیر معینہ دورہ کرتے اور نگرانی کرتے تھے ان انسپکٹروں کے ساتھ فوجی دستے بھی بھیجے جاتے تھے ہر سال بادشاہ کا ایک ایلچی اور فرستادہ صوبوں کا دورہ کرتا جاسوسی کا نظام کافی ترقی یافتہ اور جدید تھا مواصلات انتہائی موثر، سڑکیں محفوظ اور ڈاک کا نظام اعلیٰ تھا۔

سول انتظامیہ کے ساتھ فوجی نظام بھی نئے سرے سے ترتیب دیا گیا سائرس کی فتوحات کے بعد فرسودہ فوج "دکر" کی جگہ تنخواہ یافتہ فوج "سپادہ" کھڑی کی گئی 10 ہزار فوجیوں پر مشتمل مخصوص دستہ بادشاہ کے

محافظ کا کام کرتا تھا ان محافظوں کی اکثریت ایرانی اور مدائی ہوتی تھی دیگر قومیتوں پر مشتمل فوج کا کمانڈار بھی ایرانی مقرر کیا جاتا تھا ایک رجمنٹ ایک ہزار فوجیوں کی کمپنی پر مشتمل ہوتی تھی۔ ہر کمپنی 100 ارکان کے ساتھ سکواڈرن بناتی جس کے بعد 10 جوان ایک گروپ بناتے، فوجیوں کو گھڑ سوار، تیر انداز اور نیزہ بازوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر رجمنٹ کو اس کے قومی لباس، ٹوپی، اسلحے اور ہتھیاروں سے پہچانا جاتا تھا۔ توپخانہ (اسبر) اور شہسوار (پستی) لشکر کا بنیادی جزو ہوتے تھے۔ اونٹوں اور ہاتھیوں کی الگ فوج بنائی جاتی تھی۔ کمان، تیر اور چھوٹی تلوار ان کے خاص ہتھیار تھے۔ فوجیوں کو اشیاء ضروریہ، گوشت اور انگور کی شراب فراہم کی جاتی تھی۔ برق رفتار جنگی حکمت عملی اختیار کی جاتی اور مقصد دشمن کی مکمل تباہی ہوتا۔

قانون کی پوری پاسداری کی جاتی تھی۔ تمام میسوپوٹیمیا میں داتا شاتری (شاہی قانون کے مطابق) نافذ تھی۔ بادشاہ کا فرمان ججوں (داتابر) جو ایرانی شرفاء میں سے ہوتے تھے، کے ذریعے لاگو کیا جاتا تھا۔ ان کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سات ججوں پر مشتمل پنچ سنتا آخر میں حتمی فیصلہ بادشاہ کرتا تھا۔ مدعی کو اپنا مقدمہ حلف اٹھا کر دائر کرنا پڑتا تھا۔ قانون دانوں کا ایک طبقہ بھی تھا۔ سزائیں کافی سخت دی جاتیں، بدعنوانی پر کڑی نگاہ رکھی جاتی، صنعت وحرفت نے کافی ترقی حاصل کر لی تھی۔ لدیا کے حکمران کروئسس کی طرف سے سکے رائج کرنے کے بعد سے مالی لین دین کافی آسان اور یہ طریقہ مقبول ہو چکا تھا۔

ایشیا کوچک، فلسطین، لبنان اور وادی دجلہ وفرات کی دھاتیں، تانبا، لوہا اور چاندی قبرص سے، کرمان کا سونا چاندی، سیستان کی جست، ایلام کا پتھر، بدخشاں کا نیلم اور خراسان کا زمرد بڑی مقدار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خرید وفروخت کیا جاتا تھا۔ خلیج فارس سے پکڑی گئی مچھلی خشک کرنے کے بعد پیک کی جاتی اور دور دراز کے علاقوں کو بھیجی جاتی تھی۔ شیشے، کپڑے، مسالوں اور تلواروں کی بڑی مانگ تھی۔ شہروں میں کپڑا، جامے، گاؤن، جوتے، فرنیچر، چاندی اور کانسی کی مصنوعات، آلات، زیورات اور آرائش کا سامان بڑے پیمانے پر تیار کیا جاتا۔ کاروباری نشوونما کی بنا پر قیمتیں زیادہ اور بنکاری کا نظام مستحکم تھا۔

ہخامنشی دور کی ایک خاص بات یونان اور پنجاب کے باسیوں کا اکٹھا ہونا اور باہمی ملاپ تھا۔ اگر کسی ہندی فلاسفر نے سقراط کے ساتھ فلسفہ پر بحث کی تو دوسری طرف یونانی سوفیطی نے پنجاب میں ریاضت کے ادارے کھولے ایک طرف دیماکدوس نے یونان میں ہندوستانی ادویات کو عام کیا اور افلاطون نے

ہندی نظریہ کا ف، پتا اور وتا پر تبادلہ خیال کیا تو پتنجلی نے یونانی ادب سے لگاؤ کا اظہار کیا۔ "بنا" اور "دکشمندز" نے یونانی حرفت کی تعریف کی تو وراہامرا نے یونانی علم فلکیات کا اعتراف کیا۔ اگر ہندوستانی مور اور مرچ یونان میں پہنچائی جاتی تھی تو پنجاب میں یونانی مفکروں ڈایونسس اور پرومیتھس کا ذکر ہوتا اگر ارسطیدس نے ایرانی طرز پر ڈیلین لیگ کا نمونہ تیار کیا جو نام نہاد آئیونی انقلاب کے تسلط کے بعد آہمنیوں نے ہیلنی شہروں میں نافذ کیا تھا تو ہندوستان میں کوتلیہ نے مرکزی طرز حکمرانی کا نظام متعارف کرایا جو گندھارا اور سندھ کی سلطنتوں میں یونانی گورنروں کے ذریعے نافذ کیا گیا تھا۔ پس دونوں اطراف سے اعلیٰ قسم کے علوم، تجربات اور اشیاء کا لین دین جاری تھا۔ اگر یونان میں سکندر نے شہری ریاستوں کو آہمنیوں کے خلاف متحد کیا تو ہندوستان میں پورس نے پنجاب کے اتحاد کے کام کا آغاز اور چندرگپت موریہ نے اسے مکمل کیا۔ مختصر یہ کہ آہمنیوں نے یونان اور پنجاب میں اتحاد اور مرکزیت کے بنیادی رجحانات کی معاشرتی نمو اور پھیلاؤ کو تحریک دی جس کے نتیجے میں یونان میں سکندر اور پنجاب میں مہاراجا پورس کی شخصیت کو عروج حاصل ہوا۔

ہم یہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ پورس نے ایران اور جنوبی ایشیا میں آہمنیوں کے دور اقتدار میں رونما ہونے والے طویل تاریخی پس منظر کے بعد عروج حاصل کیا۔

4

پورس کا عروج

4

پورس کا عروج

راجا پورس کے عروج کے دور پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس زمانے میں پنجاب تنازعات، تحریکوں، جدوجہد اور جنگجو قوموں کی فوجی پیش قدمی کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ٹیکسلا میں آچمینیوں کے زیر سایہ مذہب پرستی سے پاک مرکزی طرز حکومت کے نظریے سے جنم لینے والے اتحاد اور امن کا سورج اب دھیرے دھیرے مدھم پڑتا جا رہا تھا۔ طوائف الملوکی، قبائلیت اور علیحدگی پسند عناصر پر امن قوتوں، استحکام اور ریاست سے متصادم تھے۔ نت نئے تجربات اور غیر یقینی صورتحال نے پورس کے عروج میں اہم کردار ادا کیا۔

پلنی سنسکرت کی انشا پردازی میں پاؤروا یا پوروں کا جس طرح ذکر کرتا ہے اس سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اہم حکمران قبیلہ تھا ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ "پورے" شاہ نندہ کی موت کے بعد طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، پورو۔کوروں کے زوال کے بعد اس قبیلے کے ارکان مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔

صورتحال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آچمینی اقتدار کے خاتمے سے پیدا ہونے والے بحران میں جبکہ مختلف قبائلی سردار پنجاب اور شمال مغرب میں خودمختار حیثیت اختیار کرنے میں مصروف تھے۔ پاؤروا قبیلے کا سردار جسے بعد ازاں یونانی ادیبوں نے پورس کا نام دیا، نے چناب اور جہلم کے درمیان اپنی آزاد اور خودمختار حکومت قائم کرلی۔ اسھد خاندان کے سردار امبھی نے بھی اس دوران مشرقی گندھارا (ٹیکسلا)

میں اپنی حیثیت مستحکم کر لی۔ مغربی گندھارا پر ہستیان قبیلے نے آستے کی قیادت میں اسی طرح اسواجیت نے اقتدار کا علم بلند کر لیا تھا۔ قدرتی طور پر پورس اور امبھیوں میں تعلقات کشیدہ تھے کیونکہ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے دونوں کے مفادات میں ٹکراؤ ہو رہا تھا۔ جہلم اور چناب کے دوآبے میں پورس کی بڑھتی طاقت کے پیش نظر سوفیطی کے یونانی جانشینوں کو راوی اور بیاس کے دوآبے کی جانب نقل مکانی کرنا پڑی۔ یونانی مورخ بیان کرتے ہیں کہ چناب اور راوی کے درمیانی علاقے پر راجا پورس کا ہم نام بھتیجا* جونیئر پورس حکومت کرتا تھا۔ سٹرابو لکھتا ہے کہ

''پورس جونیئر جس خطے کا حکمران تھا اسے گندھاری کہتے تھے لیکن آرین کا دعویٰ ہے کہ ''وہ چناب کے مشرقی حصے پر قابض تھا۔ بڑے پورس کو شکست دینے کے بعد سکندر نے چھوٹی فوج کے ساتھ ''بدمعاش'' پورس کی سلطنت کی جانب کوچ کیا، کہا جاتا ہے کہ یونانی حملے کے وقت یہ پورس اپنا تخت چھوڑ کر نامعلوم مقام کی جانب فرار ہو گیا۔'' آرین مزید لکھتا ہے کہ

''سکندر اس کا تعاقب کرتے کرتے ہائیڈروٹس (دریائے راوی) تک آ پہنچا۔ اس واقعے میں کسی اور قبیلے یا بادشاہ کا ذکر نہیں۔ جس سے اشارہ ملتا ہے کہ چناب اور راوی کے درمیانی علاقے کا فرمانروا یہی پورس (جونیئر) تھا۔'' ڈایوڈورس نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ''راجا پورس کے مشرقی خطے پر اسکا ہم نام پورس حکومت کرتا تھا۔

ایسا لگتا ہے کہ چناب اور راوی کے درمیانی علاقے کو فتح کرنے کے بعد پورس نے اس کا انتظام اپنے بھتیجے کے سپرد کر رکھا تھا لیکن شاید چھوٹے پورس کو اپنے چچا کا عمل دخل پسند نہ آیا اور اس نے خود مختار حیثیت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے۔ جب سکندر نے راجا پورس پر حملہ کیا تو چھوٹے پورس نے صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ صرف یہاں تک نہیں بلکہ اس نے مقدونوی شہزادے سے گٹھ جوڑ کرنے کے لئے اپنا ایلچی اس کے پاس بھیجا اور اطاعت کا یقین دلانے کی کوشش کی۔ تاہم اس منصوبے پر اس لئے قابل ذکر عملدرآمد نہ ہو سکا کیونکہ سکندر کے فوجی کیمپ اور اس

* ''جونیئر'' کا اضافہ ہم نے اپنی سہولت کے لئے کیا ہے تاکہ قاری الجھن کا شکار نہ ہو در اصل یہ اس کے نام کا حصہ نہیں تھا۔ (مترجم)

کے درمیان بڑے پورس کی ریاست حائل تھی۔ اس اشتعال انگیزی کے باوجود راجا پورس اپنی طاقت ایسے موقع پر اپنے قبیلے کے خلاف تقسیم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تاہم جب چھوٹے پورس نے کھل کر سکندر سے معاملات طے کرنا شروع کر دیے تو راجا پورس نے اسے زیر کرنے کو اپنی سرفہرست ترجیح میں شامل کر لیا۔ اس کے خوف سے پورس (جونیئر) اپنی سلطنت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا"

اس صورتحال کو آرین نے یوں لکھا ہے۔ "جب راجا پورس اور سکندر کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔ تو چھوٹے پورس نے سکندر کے پاس اپنے ایلچی بھیجے اور اپنے ملک سمیت ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی۔ تاہم یہ پیشکش سکندر سے دوستی سے زیادہ پورس کی دشمنی کا نتیجہ تھی"۔

جب چھوٹے پورس کو معلوم ہوا کہ سکندر نے نہ صرف اس کے چچا کو آزاد کر دیا ہے بلکہ اس کی سلطنت بھی لوٹا دی ہے تو وہ راجا پورس کے انتقام کے خوف سے تخت چھوڑ کر فرار ہو گیا اس نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں اس کے اپنے مسلح جنگجو راجا پورس کے کسی کام نہ آ جائیں، کو بھی اپنی ہمراہی میں لے لیا۔

راجا پورس کے کہنے پر سکندر نے باغی چھوٹے پورس کو راوی کے پاس آڑے ہاتھوں لیا اس صورتحال میں پورس کو گندھاری وائی جسے ریاست مگدھ کے علاقے گنگری وائی کی جگہ غلطی سے استعمال کیا گیا ہے، کی طرف بھاگنا پڑا کیوں کہ پورس کا ان حالات میں گندھارا کے کسی علاقے کی طرف جانا ناقابل فہم ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ راجا پورس اور چھوٹے پورس میں درحقیقت کیا رشتہ تھا؟ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اولذکر چچا اور متوخرالذکر بھتیجا تھا، ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ دونوں نے جہلم اور چناب اسی طرح چناب اور راوی کے درمیان علیحدہ بادشاہتیں قائم کر رکھی ہوں؟ جواب نفی میں ہوتا ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دونوں بہت پہلے سے الگ حکومتیں تھیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے پورس نے ہمسائے چچا کی پناہ میں آنے کے بجائے دور دراز کے علاقے مگدھ کا انتخاب کیوں کیا؟ بہر حال ہو سکتا ہے کہ بغاوت کرنے کے بعد وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو اور بہتر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔

اس کے علاوہ ہمیں راجا پورس کی کوشدرک۔ مالوؤں کے خلاف مہم جوئی کا پتہ چلتا ہے۔ حالانکہ یہ قبیلے پورس جونیئر کی سلطنت کی دوسری طرف آباد تھے لہذا اگر چھوٹا پورس خود مختار حکمران تھا تو اس نے اپنے علاقے سے راجا پورس کی فوجوں کو گزرنے کی اجازت اور طاقت بڑھانے کا موقع کیوں دیا؟ یہ واقعات اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ راجا پورس نے راوی چناب دوآبے کو فتح کر کے اپنے بھتیجے کی مزاحمت ختم کر دی اور وہاں اپنا کنٹرول مضبوط کر لیا۔ دریائے جہلم سے راوی کے درمیان علاقے کو فتح کرنے سے راجا پورس کے مالوؤں سے تنازعے نے دوبارہ سر اٹھا لیا۔ ہم جان چکے ہیں کہ یہ لوگ مدروں کی نسل سے تھے جو کبھی چناب اور راوی کے درمیانی خطے میں مقیم تھے۔ اس علاقے میں پورس کی مہم جوئی اور شمال کے غیر ملکی باشندوں کے دباؤ پر مالوے راوی چناب دوآبے سے نکل کر چناب، سندھ دوآبے کے کوٹ کمالیہ، تلمبہ اور ملتان جیسے بڑے شہروں پر مشتمل علاقوں میں پھیل گئے۔ ان کے رشتہ دار کوشدرک مشرق میں راوی اور ستلج کے علاقے بہاولپور یا شائد ستلج اور سندھ کے سنگم کے علاقے اُچ تک پہنچ گئے۔

آرین لکھتا ہے۔ "یہ لوگ ہندوستان کے اس علاقے میں مقیم جنگجو قبائل میں سب سے زیادہ خونخوار اور کثیر النسل تھے لہذا پورس کے لئے انہیں زیرنگیں کرنا آسان نہیں تھا اس نے پونچھ۔ راجوڑی کے بادشاہ ابھیشر لیس کے ساتھ اتحاد کیا اور کوشدرک۔ مالوؤں پر چڑھائی کر دی۔ جنگ کے ساتھ پورس نے مالوؤں کے قریبی قبائلیوں کو ان کے خلاف استعمال کرنے کی سفارتی کوشش بھی جاری رکھیں تاہم تلوار اور سیاست دونوں مالوؤں کو زیر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں"۔

جیسا کہ آرین لکھتا ہے کہ "پورس اور راجہ ابھیشر لیس پوری تیاری کے باوجود دشمن کو پسپا کرنے میں ناکام رہے" ایسا نظر آتا ہے کہ دونوں غیر ملکی حملہ آور فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مالوے اور کوشدرک بھی متحد ہو گئے۔ اس طرح مشترکہ دفاع کے ذریعے جارحیت کا مشترکہ سدباب کیا گیا۔ اس قسم کی اتحادی لڑائیوں نے اس دور کے سیاسی نقشے میں نہایت اہم صورت اختیار کر لی۔ پنی نے انشاپردازی کی کتاب "مہن ستر" باب ششم 45.2 میں اس نوعیت کی جنگوں کے مقبول ہونے کی تصدیق کی ہے۔ یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ اگرچہ راجا پورس کوشدرکوں اور مالوؤں کو شکست دینے کے مقاصد حاصل نہ کر سکا۔ تاہم وہ اپنی سلطنت کو مشرق اور جنوبی پنجاب تک توسیع دینے میں کامیاب ہو گیا۔ مالوؤں نے اسے

جنگ، جارحیت اور توسیع پسندی کا راستہ دکھا دیا تھا۔

پورس نے نہ صرف جنوب اور مشرق کی طرف چڑھائی کی بلکہ شمال اور مغرب کی جانب بھی پیشقدمی کی۔ اس کوشش کے نتیجے میں وہ ہمسایہ بادشاہ امبھی کے قریب جا پہنچا جو اس صورتحال سے سخت رنجیدہ اور مشتعل ہو گیا۔

کیورٹیس لکھتا ہے۔ ''امبھی نے پورس اور ابھیسٹر لیس دونوں سے جنگ کی''

یہ بات ثابت کرتی ہے کہ جن مشترکہ قوتوں سے کوشدرک مالووں کو خطرہ لاحق ہوا تھا، نے امبھی کو بھی زک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس نازک وقت میں اپنی فوجی قوت بڑھانے کے لئے امبھی نے عام مردوں کو بھی فوجی تربیت دلوائی۔ ابھی یہ تیاریاں جاری تھیں کہ سکندر گندھارا کے افق پر نمودار ہوا۔ امبھی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقدونوی حملہ آور کو اپنی دوستی کا یقین دلایا اور پورس کے خلاف کارروائی میں تعاون کی پیشکش کی۔ اب جبکہ سکندر بکتریا میں تھا اس نے امبھی سے اتحاد کی بات چیت کے لئے اپنا سفارتکار بھیجا۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ان کوششوں کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔ تاہم سکندر نے گندھارا پر چڑھائی کی اور اس کے جفاکش لوگوں کو مطیع بنا لیا۔ جب وہ دریائے سندھ پار کرنے والا تھا تو امبھی تحائف اور نذرانوں کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آرین لکھتا ہے کہ اس وقت ٹیکسلا کے بادشاہ نے چاندی کے 200 توڑے جن کی مالیت 15 توڑے سونے کے بنتی ہے سکندر کو پیش کئے۔ اس دور میں ایک توڑا تین ہزار سونے کے سکوں جنہیں ''درک'' کہا جاتا تھا پر مشتمل ہوتا۔ ایک درک کی قیمت پانچ ڈالر کے برابر لگائی جا سکتی ہے۔ اس طرح امبھی نے 45 ہزار درک جن کی مالیت 2 لاکھ 25 ہزار ڈالر بنتی ہے کا نذرانہ دیا۔ تین ہزار بیل، 10 ہزار بھیڑیں، 700 گھوڑے اور 30 ہاتھی اس کے علاوہ تھے یہاں تک کہ اس نے دارالحکومت ٹیکسلا کو اس کے لئے خالی کرنے کی پیشکش کر دی۔

امبھی نے ایک ایسے حکمران کو جس سے اس کی کوئی پیشگی وابستگی نہیں تھی، اتنی بڑی تعداد میں دولت اور

چیزیں کیوں پیش کیں؟

اس کا جواب شاید یہ ہے کہ سکندر نے شمال کے پہاڑی باشندوں کی مزاحمت کا بھر پور مقابلہ کیا تھا اور کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ مزید پیش قدمی کرے گا یا اپنے قدم روک لے گا۔ قدرتی بات ہے کہ ایسے موقع پر اس کی واپسی کا مطلب پورس اور ابھیشر لیس کے ہاتھوں امبھی کی ریاست کا خاتمہ تھا۔ پیچیدہ صورتحال میں سکندر ایسی کسی طاقت کی مدد کے لئے اپنے جارحانہ عزائم کو توسیع دینے میں ہچکچاہٹ کا شکار نہ ہوتا جو اس سے تعاون کرتی۔ سکندر کے رویے اور حکمت عملی سے غم وغصہ اور وحشت کا اظہار ہوتا ہے جو پورس کے اپنے ہمسایوں، ہم عصروں کے دل پر فوجی طاقت کی دھاک بٹھانے سے نمودار ہوئی۔ منظرنامے میں سکندر کی آمد کو آرین نے اس طرح بیان کیا ہے۔

''جب سکندر دریائے سندھ پار کر کے دوسری جانب پہنچا تو اس نے یونانی روایت کے مطابق قربانی دی۔ اس کے بعد پیش قدمی کر کے وہ ٹیکسلا پہنچا۔ یہ شہر بلاشبہ عروس البلاد، تمام شہروں سے عظیم اور دریائے ہائیڈاسپس (جہلم) اور انڈس (سندھ) کے درمیان واقع تھا۔ شہر کے گورنر، باشندوں اور دیگر ہندوستانیوں نے اس کا دوستانہ انداز میں استقبال کیا۔ جس پر سکندر نے اتنا مفتوحہ علاقہ ان کی سلطنت کے ساتھ ملا دیا۔ جتنے کی ٹیکسلا والوں نے خواہش ظاہر کی۔ سکندر نے یہاں بھی قربانیوں کی رسم ادا کی۔ اس موقع پر جسمانی کرتب اور سرکس کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس نے مخاطس کے بیٹے فلپ کو اس علاقہ کا گورنر مقرر کرنے کے بعد ٹیکسلا میں کچھ فوجی دستے تعینات کئے اور پھر ہائیڈاسپس (جہلم) کی طرف کوچ کیا۔''

سکندر ٹیکسلا سے جہلم کو روانہ ہوا تو امبھی بھی پانچ ہزار فوجیوں کے ساتھ اس کے ساتھ آملا۔ اس سارے معاملے میں امبھی کی حکمت عملی اور رویے سے پورس کی وسعت پذیر طاقت کا بالواسطہ اظہار ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ پورس کا بڑا اتحادی ابھیشر لیس تھا، جس کی حکومت راجوڑی، چبل، پونچھ اور نوشہرہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پایہ تخت میں شاید دریائے جہلم کے زیریں اور وسطی علاقے بلکہ کشمیر کے اہم مقامات بھی شامل تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بلاشبہ ایک طاقتور حکمران تھا۔ اس نے کوشدرک۔ مالوؤں اور امبھی کے خلاف مہم میں پورس کا ساتھ دیا لیکن اس کے دل میں پورس کی دوستی

اوراس کی بڑھتی طاقت کے بارے میں شکوک وشبہات اوراندیشے پائے جاتے تھے۔ یہ درست ہے کہ اس نے سکندر کے خلاف لڑائی میں پہاڑی باشندوں کی مدد کی اوراپنے فوجی دستے بھیجے مساگا کے سقوط کے بعد امبھیشر لیس نے وہاں کے باشندوں کو فوجی کمک پہنچائی لیکن اس نے سکندر کی طرف اس وقت دوستی اورامن کا ہاتھ بڑھایا جب وہ ٹیکسلا کی مہم پر تھا۔ آرین لکھتا ہے۔

''جب سکندر ٹیکسلا میں قیام پذیر تھا، پہاڑی خطے کے بادشاہ امبھی نے اس کی خدمت میں اپنے بھائی اور ممتاز درباریوں پر مشتمل سفارتی مشن بھیجا''۔ کیورٹیس کا بیان ہے ''اسی روز امبھیشر لیس کے ایلچی پہنچے اور انہوں نے اپنے بادشاہ کے زیر قبضہ پوری سلطنت سکندر کے سامنے سرنگوں کرنے کی پیشکش کی۔ جذبہ خیر سگالی کے اظہار کے بعد انہیں واپس بھیج دیا گیا''۔

یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مقدونوی حملہ آور کے ساتھ تصادم سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے وہ پورس سے دوستی یک لخت ختم کرنے میں بھی ہچکچاہٹ کا شکار نہ ہوا۔ سکندر اور پورس کی جنگ سے پہلے آرین نے لکھا ہے۔ ''امبھیشر لیس اپنی فوج کے ساتھ پورس کی طرف سے لڑنے کو تیار تھا''۔

یہاں پر ڈایوڈورس لکھتا ہے ''امبھیشر لیس کی فوج پورس سے کم تر تھی''۔

''حقیقت یہ ہے کہ جب سکندر کی فوج نے دریائے جہلم کو بائیں کنارے سے عبور کیا تو پورس نے سمجھا کہ یہ اس کے اتحادی راجا امبھیشر لیس کی فوج ہے جو اس کی مدد کے لیے آ پہنچی ہے کیونکہ یہ بات دونوں میں طے پائی تھی''۔ لیکن امبھیشر لیس ''دوڑنا خرگوش کے ساتھ اور شکار کتوں کے ساتھ'' والی حکمت عملی پر چل رہا تھا۔ اس نے توقف کیا اور جنگ جہلم کے نتائج کا انتظار کرتا رہا اور پورس کی مدد کے لئے بہت تاخیر سے پہنچا۔ اس نے سکندر کے پاس اپنا بھائی اور دیگر ایلچی بھیجے''۔

امبھیشر لیس نے سکندر کی خدمت میں دولت اور 40 ہاتھیوں کا تحفہ بھی پیش کیا۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی زبردست قوت کے باوجود پورس کی طاقت سے خوفزدہ تھا یہ بات پورس کی زبردست فوجی برتری کا ثبوت ہے۔

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سکندر کی چڑھائی کے دور میں پورس مغربی پنجاب کی برتر قوت بن چکا تھا اور اس۔

کے زیر اثر تمام ریاستوں کی قسمت پورس کی پالیسیوں اور کاموں کی محتاج تھی۔ راجا امبھی کی گھبراہٹ، ابھیشر لیس کی غداری، چھوٹے پورس کی بغاوت، کوشدرک۔ مالوہ اتحاد، سوفیطیوں کی مشرقی پنجاب کو نقل مکانی، یہ تمام عوامل پورس کے عروج کے تناظر میں بخوبی سمجھے جاسکتے ہیں اس کے پاس 50 ہزار پیادے، تین ہزار گھڑسوار، ایک ہزار رتھ اور 130 لڑاکا ہاتھی موجود تھے۔

ڈایوڈورس کے بیان کے مطابق اس کے پاس دولت کی بڑی مقدار کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک یا دو اضلاع پر حکومت کرنے والا کوئی شخص بھی اتنی بڑی فوج کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ پورس کے ماتحت ایک کمان میں بڑی فوجی پیش قدمی اور لڑائی اختیارات کی مرکزیت کی نئی سوچ اور نظریے کا آغاز تھا۔

آئندہ کے صفحات میں ہم بتائیں گے، اس فوج نے کس طرح منظم طریقے سے میدان جنگ میں کارروائی کی۔ لہذا اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ غیر ملکی بادشاہوں تک نے نہ صرف اس کی طاقت کا اعتراف کیا بلکہ ضرورت کے وقت اس کو مدد کی پیشکش کی۔

5

پورس اور دارا

5

پورس اور دارا

چوتھی صدی قبل مسیح ایران کے آچمینی فرمانرواؤں کے زوال کا پیغام لائی۔

338 ق م میں شاہ آرٹیکسیرکس سوم کو زہر سے ہلاک کرنے کے بعد تخت پر قبضہ کرنے کی کوششیں اور سازشیں شروع ہو گئیں۔ تاج شاہی کے کئی دعویداروں نے سر اٹھایا نتیجتاً ملک میں موت اور تباہی لانے کا سبب بن گئے۔ جب کوئی شاہی خاندان کا رکن باقی نہ رہا تو دور کے ایک رشتہ دار نے عنان حکومت سنبھال لی۔ تاریخ اس شخص کو دارا III کے نام سے پیش کرتی ہے۔

بلاشبہ نیا حکمران بہادر اور قابل تھا لیکن ایران کے روایتی حریف ملک یونان میں بھی ایک مہم جو اور جانباز سوچ کا بادشاہ سامنے آ رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ آئیونی قصبوں، مصر، میسوپوٹیمیا اور مغربی ایشیا کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا یوں دونوں طاقتوں کی زور آزمائی کی راہ ہموار ہو گئی اور تین جنگیں لڑی گئیں۔ پہلی لڑائی 334 قبل مسیح میں دریائے گرانیکس، دوسری 333 میں آئی سوس اور آخری 331 ق م میں اربیلہ میں لڑی گئی۔ اگرچہ تمام جنگوں میں دارا کی فوجیں تعداد میں زیادہ تھیں تاہم وہ مقدونوی جنگجوؤں کی تلواروں کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس طرح دارا ملول اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہوتا چلا گیا۔

اربیلہ میں زک اٹھانے کے بعد دارا نے پھر ایک بار فوجیں اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ سکندر بابل، سوسا اور پرسی پولس پر قبضے کے بعد ماردیان کے خلاف پیش قدمی کر رہا تھا کہ اس کو دارا کی ہمدان میں ازسرنو

فوجی تیاریوں کی اطلاعات ملیں۔

مورخ ہمیں بتاتے ہیں کہ مقدونوی فوج کے ہاتھوں تین بار ہزیمت اٹھانے کے بعد دارا کے متعدد جرنیل اور افسر مارے گئے یا بکھر کر رہ گئے۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے۔

اس موقع پر یہ بات بعید از قیاس ہوگی کہ وہ اپنے حریف فاتح سکندر سے تین بار شکست کھانے کے بعد پھر فتح کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کی اپنی فوج بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی لازمی طور پر اس کے پاس کسی دوسری طاقت کی مدد کا وسیلہ موجود تھا، جس نے اس کے دل میں کامیابی کی نئی امید پیدا کر دی۔ ایرانی، شامی اور حبشی روایتوں میں دارا کی مدد کے لئے ہندوستانی بادشاہ ''فور'' کے ہاتھی دستے کا پتہ چلتا ہے۔ کوئی غلطی کئے بغیر اس بادشاہ کو پورس نام کی بگڑی شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔

تاریخ کی یونانی کتاب ''سیوڈو۔ کالستھنز'' اور اس کے شامی نسخے میں ذکر ہے ''شاہ دارا نے پورس کو فوج کی معیت میں درہ کیسپئین کے پاس ملاقات کی دعوت دی۔ اس نے پورس کو دشمن فوج سے چھینے گئے مال غنیمت کا نصف اور سکندر کا پسندیدہ گھوڑا ''بوکی فالس'' دینے کا وعدہ کیا''

لیکن فردوسی ''شاہنامہ اسلام'' میں ہمیں بتاتا ہے کہ

اربیلہ میں شکست کے بعد دارا نے سکندر کو خط لکھا اور امن کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں۔ سکندر کا جوابی خط مثبت تھا لیکن اس دوران دارا کے اندر کسی غیر ملکی حملہ آور کے قدموں میں ہتھیار ڈال کر ایرانی قوم کو شرمندہ نہ کرنے کی سوچ پیدا ہوگئی، وہ سر اٹھا کر جینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک مرتبہ پھر تلوار پکڑنے کا فیصلہ کیا۔

دارا نے ہمسایہ ہندوستان کے طاقتور بادشاہ پورس سے کامیابی کے لئے مدد کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ فتح کی صورت میں ہر تعاون کا بدلہ زبردست انعام کی صورت میں دیا جائے گا۔ وارنر نے فردوسی کے اس شاعرانہ پیرائے کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

جب دور و نزدیک کوئی مونس و مددگار نہیں تھا۔ اس نے فر (پورس) کو عاجزانہ خط لکھا۔ گہری مایوسی کی حالت میں پہلے اس نے خدا کی حمد بیان کی اور کہا۔

اے سرزمین ہند کے حکمران۔
تم دانا، تم بے مثل اور محسوس کرنے والی روح کے مالک۔
میری بدقسمتی کی داستان سنو۔
سکندر روم سے فوجوں کے ساتھ ہماری سرزمین میں گھس آیا۔
کوئی فوج، کوئی آبادی، رشتہ دار اور بچے یا تاج یا تخت یا شاہی دبدبہ یا خزانہ یا مال ہمارے لئے باقی نہیں چھوڑا۔
اب اگر تم میری مدد کرو گے اور پرے رکھو گے۔ مجھ سے تباہی تو میں ضرور روانہ کروں گا۔
اتنے قیمتی جواہرات اپنے خزانے سے کہ تمہیں مزید ضرورت نہیں پڑے گی۔
اس کے علاوہ تاریخ میں تمہارا نام باقی رہے گا اور ایک دنیا تمہاری عزت کرے گی۔

سیوڈو کالسھنز کے حبشی ترجمے میں دارا کی پورس کو دعوت کا بیان ارنسٹ اے والس بج نے اس طرح کیا ہے۔

"شہنشاہ دارا کی طرف سے شاہ ہند پورس کے لئے نیک خواہشات کا اظہار، اس سے پہلے میں اپنی سلطنت میں قوت اور عالیشان انداز میں حکومت کرتا تھا لیکن اب میں تم سے مدد اور تعاون کا خواستگار ہوں کیونکہ ایک طاقتور جنگجو شخص (سکندر) نے ہم پر جنگ مسلط کردی ہے۔ اسے کوئی خوف و خطر نہیں، اس کا حوصلہ زبردست اور جسم تنومند ہے اور میں نے اس جیسا شخص پہلے کے کسی بادشاہوں یا انسانوں میں نہیں دیکھا۔ سن لو اس نے ہماری تشفی کا باعث بننے والی عورتیں بھی چھین لی ہیں۔ یہ بھی سنو کہ میں متعدد بار یونانیوں کے مقابلے میں اترا لیکن میں انہیں شکست دینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ مجھ پر غالب

آ گیا اور ذلت آمیز گہرائیوں میں پھینک دیا کیونکہ ایرانیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس سے (سکندر سے) جنگ کر سکتا اس طرح اس نے میری سلطنت چھین لی۔ میری ماں، میری ملکہ اور بیٹی کو بندی بنالیا۔ میرے پاس موت کے سوا کچھ نہیں بچا۔ شاید میرے لئے اس کا غلام بننے سے مرنا ہی بہتر ہے۔ اے پورس میری مدد کرو اور اس محبت کا اظہار کرو جو ہمیشہ ہمارے درمیان موجود رہی۔ مجھے تمہاری ہندوستانی فوج کی ضرورت ہے جو اس طاقتور انسان (سکندر) اور اس کی فوج سے آہنی ہاتھوں سے نمٹ سکے۔ یہ فوج میری کمان میں دو تاکہ میری امید اور اعتماد کو نئی روح مل سکے۔ میں تمہارے پیغام تک اپنے ملک کی سرحدوں پر منتظر رہوں گا۔ جس کے بعد میں دشمن فوج پر ٹوٹ پڑوں گا اور انہیں اپنا علاقہ چھوڑنے پر مجبور کر دوں گا۔ اگر میں سکندر پر فتحیاب رہا تو میں نصف مال غنیمت تمہارے حوالے کر دوں گا۔ سکندر کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنی فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ جس کے بعد یونانی دستے شہنشاہ دارا کی طرف کوچ کر گئے"۔

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ دارا پورس کو ہندوستان کا بادشاہ، نہایت عقل مند، طاقتور اور اپنی مدد کے قابل سمجھتا تھا۔ یہ بھی انکشاف ہوتا ہے کہ دارا نے اپنی فتح کی صورت میں پورس کو صلہ دینے کا بھی وعدہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریکی اور مایوسی کے اس دور میں اس کا ہندوستانی اتحادی ہی امید کی آخری کرن تھا۔

پورس نے دارا کی درخواست کا فوری جواب دیتے ہوئے اس کی مدد کے لئے ہاتھیوں کا دستہ بھیجا۔ یہ بات اپنی جگہ حیران کن ہے کہ ہندوستان کے جنگی ہاتھی بھاری ڈیل ڈول کے ساتھ کس طرح افغانستان کے پہاڑی اور دشوار گزار راستے پار کر کے ایران اور جنوبی ایشیا تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے؟ یہ تصور کرنے سے قبل ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ قدیم دور میں بھی ہاتھیوں کی اس قسم کی مہم جوئی ہوتی رہی ہے۔

ربع صدی (پورس سے) بعد چندر گپت نے 500 ہاتھیوں کے ساتھ افغانستان میں سیلیوکس کا تعاقب کیا۔ اس طرح ایک سو سال بعد سبا گھیتا نے 150 ہاتھیوں کے ساتھ اسی راستے کے ذریعے انٹیوکس کا مقابلہ کیا۔ ان واقعات کو سوچتے ہوئے تاریخ دانوں کا ذہن قدیم رومن دنیا کی طرف جاتا ہے۔ جب

ہنی بال نے 37 ہاتھیوں کے ساتھ اسپین سے اٹلی تک کوہ الپس کے تنگ درہ برنارڈ کی گھاٹیوں اور برف پوش راستوں سے سفر کیا یا جب فیروس نے ایپیرا س سے جنوبی اٹلی تک ہاتھیوں کے ساتھ پیش قدمی کی۔ یہ بھی درست ہے کہ مغربی ملکوں میں ہاتھیوں کی مانگ کافی بڑھتی جا رہی تھی اور ان کی مدد سے کئی تاریخی جنگوں نے فیصلہ کن موڑ لیا۔

جیسے ہی پورس کے ہاتھیوں نے دارا کی مدد کے لئے پیش قدمی کی سکندر نے ان انتظامات کو محسوس کر لیا اور عظیم قوت کے ساتھ تیزی سے دشمن کی جانب لپکا۔ فردوسی لکھتا ہے۔

''سکندر نے جب یہ سنا کہ دارا ابن دراب

نے طبل جنگ بجا دیا ہے۔

اور ابھر آئی ہے۔ ڈھولوں، ہندوستانی گھنٹیوں کی ناگوار تیز

آواز

سکندر الستخر سے ان طاقتوں کی طرف روانہ ہوا۔

امن شاید کسی جنت میں کھو گیا تھا۔

دارا نے اپنی ٹوٹی پھوٹی فوج کو تیزی سے جمع کرنا شروع کر دیا اور سکندر کے حملے کے سامنے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ایرانی فوج مقدونوی حملہ آوروں کی طوفانی چڑھائی کا دلجمعی سے مقابلہ نہ کر سکی دارا کے کئی سردار اس کا ساتھ چھوڑ کر حریف فوج سے جا ملے۔ فردوسی نے اس منظر کو اپنی شاعری میں اس طرح بیان کیا ہے۔

''جب دارا نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی، ایرانیوں کے حوصلہ پست تھے۔

نیم دلی اور جنگ کے خوف سے

دارا کی فوج بکھری بکھری تھی

مد مقابل رومن ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ڈٹے رہے

ایرانی لومڑ اور رومن شیر تھے

اور تمام سرداروں نے سر اٹھانے کے بجائے سر جھکانے کا مشورہ دیا۔"

صرف 300 گھڑسوار اپنے بادشاہ کے ساتھ میدان میں اترے لیکن دارا خود پژمردگی کا شکار تھا۔ ایرانی سرداروں نے اس کو قتل کر کے سکندر کی اطاعت قبول کر لی۔

اسی اثناء میں پورس کے ہاتھیوں کا دستہ وہاں آ پہنچا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی اور مدد کی درخواست کرنے والا بادشاہ خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر فردوسی شاہنامہ میں پورس کے ردعمل کو یوں بیان کرتا ہے۔

"جب دارا نے مدد مانگی

میں نے اس کی دلجوئی کی اور اس کی مایوسی کو محسوس کیا

اسے حوصلہ افزائی کا پیغام بھیجا

جب اس کو غلاموں نے قتل کر دیا، ایرانیوں کی بدقسمتی پر مہر ثبت ہو گئی۔

اور جب دارا کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

مسلسل لعن طعن زہریلا مادہ بن گئی"

یہ بالکل واضح ہے کہ فردوسی اس زہریلے مادے (Anecdotes) کا ایجاد کنندہ نہیں تھا۔ جس کا ذکر اس نے شاہنامے میں کیا ہے۔

اس کی معلومات کا زیادہ انحصار ایرانی دہقانوں کی روایتوں پر ہے جو متوسط طبقے کے نمائندے اور ایران کی قومی تہذیب کے محافظ بن کر ابھرے آرمینی مصنف موسس نے آغاز 5 ویں صدی عیسوی میں ان روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ نوشیروان عادل کے دور میں ان کو اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی گئی۔

یزدگرد کی حکومت کے دوران دہقان دانشور اور اس کے ساتھیوں نے ان پر نظر ثانی کی ان کی عرق ریزی کے نتیجے میں پہلوی کا ''خدائے نامہ'' تخلیق ہوسکا جس کا بعد ازاں المقفع نے عربی میں ترجمہ کیا دقیقی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ تاہم آخر میں فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر اس کو امر کر دیا۔

یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فردوسی کی معلومات ثقہ نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے پہلوی کی روایتوں کی تفصیل ہے۔ جن سے معلومات کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ فردوسی ہمیں جو تفصیلات بتاتا ہے وہ دیگر ذرائع سے ملنے والی معلومات سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

فردوسی نے بالکل ٹھیک بتایا ہے کہ دارا اور سکندر کے درمیان معرکہ آرائی دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ہوئی۔ اس نے یہ بھی درست کہا ہے کہ جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھ کر دارا میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ بادشاہ کے بھاگنے سے ایرانی فوج کے حوصلے اس طرح پست ہوئے کہ اس نے خود سکندر کے سامنے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیے۔ سکندر نے مفتوح علاقے کے ساتھ شائستہ اور اچھا سلوک کیا۔ فردوسی اس شامی روایت کو مسترد کرتا ہے کہ سکندر اور دارا کے درمیان صرف ایک جنگ ہوئی۔

اس نے عربی مؤرخ ہشام بن محمد کا یہ دعویٰ بھی قبول نہیں کیا کہ دونوں میں لڑائی ایک سال تک جاری رہی۔ اس نے عرب تاریخ دانوں کا یہ جھوٹ مسترد کیا ہے کہ دارا کو سکندر کی سازش کے تحت قتل کیا گیا بلکہ اس نے لکھا ہے کہ اس کے ایک وزیر نے اسے ہلاک کر دیا یہ تمام چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ دارا کے آخری ایام سے متعلق فردوسی کی روایتیں زیادہ معتبر اور شامی اور عربی تفصیل سے بہتر ہیں اس نے دارا کی پورس کو فوجی مدد کیلئے درخواست کا جو بیان کیا ہے اسے یکسر مشکوک قرار نہیں دیا جا سکتا یہ بیان شامی روایتوں کے ساتھ مماثل ہے۔

یہ بات بھی نامناسب ہوگی کہ ہم پہلوی کے نکتہ ہائے نظر کو محض اس لئے مسترد کر دیں کہ یونانی مؤرخ اس بارے میں خاموش ہیں اگرچہ تاریخ کے اس مبہم حصے کے بارے میں دلائل کو منطقی لحاظ سے کمزور قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن دیگر ذرائع سے جو تفاصیل اور پس منظر ہیں ان سے صورتحال بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ پورس کی فوج کا ایرانی فوج کی جانب سے یونانیوں کے خلاف لڑنا، سکندر کو

مشتعل کرنے کا باعث بنا۔ سیوڈو کالستھنز کے حبشی ترجمے میں مورخ ''بج'' لکھتا ہے۔

''اور سکندر نے سنا کہ شاہ ہندوستان پورس ایرانی شہنشاہ دارا کی مدد کے لئے آ پہنچا ہے۔ دوسری طرف پورس ایرانی فرمانروا کی طرف سے لڑنے کے لئے پہنچا تو معلوم ہوا کہ دارا کو قتل کیا جا چکا ہے۔ وہ فوج سمیت واپس لوٹ گیا۔ سکندر نے دیوتاؤں سے پورس کے خلاف لڑائی کا عہد کیا اور فوجوں کو ہندوستان کی طرف پیش قدمی کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا''

یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ سکندر کو شدید صدمہ پہنچا کہ آ چمینیوں کی طرح کا ایک طاقتور بادشاہ پورس کی شکل میں اب بھی موجود ہے جو ایران کے معاملات میں مداخلت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے افغانستان کے رستے پنجاب کی طرف چڑھائی کا مصمم ارادہ کر لیا۔

6

پورس اور مہابھارت

6

پورس اور مہابھارت

ہم نے دیکھا کہ پورس اپنے دور کا اتنا طاقتور حکمران تھا کہ اس کی شہرت ایران سمیت کئی دوسرے ملکوں تک پھیل چکی تھی۔ خود ہندوستان میں بھی اسکے نام کا ڈنکا بج رہا تھا اور تاریخی دستاویز "مہابھارت" کی بعض روایتیں اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

اس عہد نامے میں مختلف صوبوں، ادوار اور واقعات کا ذکر ہے۔ جن کا تانا بانا پوروں اور کوروں کی لڑائی کے مرکزی خیال کے گرد گھومتا ہے۔

پوروں کے کئی بادشاہوں اور سورماؤں کی داستانوں کے علاوہ اس مجموعے میں سبھا پروان کا ذکر ملتا ہے جسے شمال مغرب کی مہم جوئی میں راجا ارجن نے لڑائی کے بعد شکست دی۔ لفظ پاؤروا سے ملتا جلتا تیلگو زبان کا لفظ۔ پاؤرس ہمیں یادوگری یا تیراج متھرا لائبریری میں موجود قدیم عہد نامے میں بھی ملتا ہے۔

اس طرح بھسما پروان (باب ششم، 27,111) میں ہے کہ جنگ کے دسویں روز بھسما پر حملے کے موقع پر دھرستا کیتو، پاؤروا سے اتحاد کرتا ہے۔ مسودے میں اس لفظ کا ہم معنی پاؤرس ملتا ہے لازمی

طور پر ان دونوں مقامات پر جس بادشاہ کو پاؤرس کہا گیا ہے وہ ہمارا پورس ہے۔ بوہلن نے خیال ظاہر کیا ہے کہ پورس نام کی اصل شکل پاؤرس ہے۔ اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ مسودے میں جسے پاؤرس کہا گیا ہے۔ وہ پورس ہو اور پاؤروا اس کے قبیلے یا خاندان کا نام ہو۔ یونانی حوالوں میں بھی ان دونوں ناموں کا ذکر ملتا ہے۔

مالا بار پوسولی من لائبریری کے ایک مسودے کے باب دوم 15,24 میں پوروم کا ذکر ہے جسے پاؤرس اور پوراوس کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ دونوں ایک ہی نام لگتے ہیں۔ پاؤرس اور پوراوس لکھنا اس بات کا اشارہ ہے کہ مسودوں کے مدیر نے پورس نام کی وضاحت کی کوشش کی ہے اور اسے پوروں سے الگ ظاہر کیا ہے یہ بادشاہ کوروں کی طرف سے لڑائی میں حصے لیتا رہا ہے اور اسے بظاہر یہاں دشمن پر بھاری ظاہر کیا گیا۔

علاوہ ازیں اس نے مال غنیمت کا بڑا حصہ بھی تقسیم کیا۔ بلاشبہ اس کی بہادری اور جوانمردی کو برملا سراہا گیا ہے۔ مہابھارت کے باب ششم 26,17 میں پورس کو شاہ کالنگس اور کمبوجہ سے مل کر کوروں کی طرف سے جنگ کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس سے توقع کی گئی تھی کہ وہ آگ کے گولے داغنے ہتھیاروں کی مدد سے پانڈوں کے حمایتی پنکلوں کو تباہ کر دے گا۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں، بدروحوں ور گندھاروں کو بھی انہی آتشی میزائلوں سے تہس نہس کر دے گا (باب پنجم, 19-20,167) چھٹے باب میں ہمیں بادشاہ دھرستا کیتو پر اس کے حملے کی تفصیل یوں ملتی ہے۔

"پوروں کے بادشاہ نے بڑی کمان اور عظیم الشان ہاتھی پر سوار دھرستا کیتو پر جنگ کے دوران تیروں سے حملہ کیا اسی طرح دھرستا کیتو نے مخالف فوج پر تمیں برق رفتار تیر پھینکے لیکن شاہ پاؤروا نے اس کی کمان توڑ کر اسے دس تیروں سے زخمی کر دیا۔ لہولہان بادشاہ درد سے کراہ رہا تھا۔ دھرستا کیتو نے ایک اور کمان سنبھال لی اور پاؤروا پر پے در پے ستر تیروں کی بارش کی شاہ پاؤروا غضبناک ہو گیا۔ اس نے

''اٹھو اٹھو'' کہتے ہوئے دھرستا کیتو پر اپنی عظیم تلوار کا وار کیا۔ زیر حریف نے بھی اپنی تلوار کی تیز دھار پر حملہ روکا تب دھرستر کا بیٹا اپنی بگھی پر پاؤروا کو بٹھا کر میدان جنگ سے باہر چلا گیا۔''

باب درون پروان میں مذکور ہے کہ ابھیمان اور بادشاہ پاؤروا کے درمیان دست بدست لڑائی بھی ہوئی پاؤروا نے ڈرامائی انداز میں ابھیمان کی بگھی میں چھلانگ لگائی اور اس کو بالوں سے جکڑ لیا۔ اس دوران جے درتھ نے آ کر اسے بچایا۔ ایک اور موقع پر (باب ہفتم 6,37) میں پاؤروا نے وریبنا کے ساتھ مل کر ابھیمان پر برق رفتار تیروں سے حملہ کیا۔ اس نے ابھیمان کی حفاظت کے لئے قائم ایک اہم چکر یوحا پر قبضہ کر لیا۔ ستیا کی نے یودھشتر کو رپورٹ میں اپنے لوگوں کو پوروں کا ہم نسل خطہ انڈس، سندھوے اور سندھ کے لوگ ساؤریک قرار دیا ہے۔

ارجن کے بارے میں ہے کہ اس نے اسے قتل کر دیا''۔ مزید برآں سبھا پروان (باب دوم 13-15,24) میں ہم ارجن کی شمال مغرب کو پیش قدمی کے موقع پر پاؤروا یا پوروسا کا ذکر سنتے ہیں۔ وہاں اس کا نام وسوگشوا ملتا ہے جس سے ملتے جلتے الفاظ وشواگشوا، ویاگشوا اور وسگاشوا ہیں۔ ان سب کا اختتام اشوا یا اسپا پر ہوتا ہے جو مابعد آچمینی دور میں پنجاب پر چھائی ایرانی تہذیب کی علامت ہے۔

جس بادشاہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ اس کی فوج میں پہاڑی جنگجو بھی شامل تھے جنہیں ارجن نے شکست دی لیکن مہابھارت کے جنوب سے ملنے والے نسخے میں اس فقرے کا تضاد پایا جاتا ہے کہ پاؤروا یا پاروسا نے خود کو پاروتیا کہا تھا جسے ارجن نے شکست دی۔

باب اول 61,28 میں بھی پاؤروا کو پاروتیا ہی کہا گیا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ پاؤروا پاروتیا کا ہم معنی ہے۔ مدرکسا، پاریشتا پروان، وساتھا پکا سیتی اور سکھا بدھ عہد ناموں میں ہمیں شمال کے ایک

طاقتور بادشاہ پرواتک کا حال ملتا ہے جس نے مگدھ کی فتح کے لئے چندر گپت کا ساتھ دیا تھا اور جسے معروف مستشرق ایف ڈبلیو تھامس اور کمود مکرجی نے پورس قرار دیا ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بادشاہ پورس ہی تھا۔ بلاشبہ ''پورے'' ایک قدیم زمانے سے اس سرزمین پر آباد تھے اور انہوں نے شمالی ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔

7

پورس اور سکندر

7

پورس اور سکندر

مئی 327 قبل مسیح میں سکندر نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا۔ اس نے پہلے ہی ایرانی مملکت پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے اپنا عقب محفوظ بنا لیا تھا۔ پہاڑی سرحدی ریاستوں کے حکمرانوں جیسے سسی کوٹس (ششی گپت) نے اسے اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا حالانکہ یہ لوگ حملہ آور فوجوں کی صفوں میں گھس کر لوٹ مار کرنے کے عادی تھے۔ دوسری طرف ٹیکسلا کے راجہ امبھی جیسے شمال مغرب کے بادشاہوں نے پورس اور ابھیشر لیس کی ممکنہ چیرہ دستی کے خوف سے سکندر کے ہاتھ مضبوط کرنے کا فیصلہ کیا۔ امبھی نے سکندر کی خدمت میں بھرپور مدد کے وعدے کے ساتھ سفارت بھیجی۔ آ چمینی سلطنت کو فتح کرنے کے بعد فاتح سکندر نے ہندوستان کو بھی زیر کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ہندوستانی فرمانروا پورس نے اس کے حریف دارا کی مدد پر آمادگی ظاہر کی تھی بلکہ ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی بھیجا تھا دوسرا یہ کہ وہ اپنی عظیم الشان حکومت کے ہمسائے میں کسی اور طاقتور بادشاہ کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے مقدونوی فوجیوں کا جذبہ مدھم پڑنے سے پہلے پنجاب پر چڑھائی کی منصوبہ بندی مکمل کر لی تھی۔ اس پیش بندی کے پیچھے اس کے دل میں پوری دنیا فتح کرنے کا بچپن سے پیدا ہونے والا خیال بھی ہو سکتا ہے گویا خواہش، انتقام، حکمت عملی، منصوبے اور بعض بادشاہوں کی دعوت جیسے عوامل نے بالآخر اسے ہندوستان کی مہم میں دشواریاں جھیلنے پر رضامند کر ہی لیا۔

ہندوکش کا پہاڑی سلسلہ عبور کرنے کے بعد جب وہ نکایا شہر (موجودہ جلال آباد) پہنچا تو اس نے اپنی

فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک کا کمانڈر ہیفاکشن جبکہ دوسرے حصے کا جرنیل پردیکاس کو مقرر کیا اول الذکر کو وادی کابل سے ہوتے ہوئے گندھارا کی طرف بڑھنے کا حکم دیا گیا جبکہ موخر الذکر حصے کو بادشاہ کے پیچھے پہاڑی علاقوں میں پیش قدمی کرنا تھی سکندر اس حصے کے ذریعے آزاد قبائل کو قابو کر کے اپنی پشت کو محفوظ بنانا چاہتا تھا۔

وادی کنہڑ پہنچ کر پہاڑی قبیلوں کا صفایا کیا گیا یہ لوگ غیر ملکی حملوں اور قبضے کے خلاف ہمیشہ مزاحمت کرتے تھے ان قبیلوں میں کمبوجہ خاندان کی اسپشن ،اشاکنوئی، اشوایان اور اشواکیان شاخیں شامل ہیں ان قبائل کے بعض ارکان کی قبریں وادی سوات کے علاقوں بت کارہمیں دو، کیٹلائی میں ایک اور لوئبانیور میں ایک قبر دریافت ہوئی ہے۔

سکندر نے ان قبائل کی مزاحمت کو بری طرح کچلتے ہوئے ان کے مضبوط گڑھ مساگا، باجوڑ اور آرنوس کو روندڈالا یونانی نو آبادی نیسا نے اطاعت قبول کر لی اس لئے محفوظ رہی اس مقام پر مقدونوی فوج نے پڑاؤ ڈال کر جشن منایا اس دوران آفریدی قبیلے کے ایک سردار افریکس نے 20 ہزار فوجیوں اور 15 ہاتھیوں کے ساتھ سکندر سے ٹکرانے کا عزم کیا لیکن بدقسمتی سے اسکی فوج نفاق کا شکار ہوگئی اور اس نے سردار کا سر قلم کر کے سکندر کے قدموں میں ڈال دیا۔

درہ پار کر کے سکندر نے سرزمین ہندوستان پر قدم رکھ دیا اور دریائے سندھ کے کنارے پہنچ گیا دریں اثناء ہیفاکشن اور پردیکاس کی قیادت میں فوجی گروہوں نے گندھارا کی جانب پیش قدمی بدستور جاری رکھی علاقے کے کوفائیوس (کوہیش) اساکینس (اسواجیت) یہاں تک کہ پیوکلاتس (پشکلاوتی) قبائل نے اطاعت کر لی اگرچہ پیوکلاتس کے سردار استس (استن) نے کچھ عرصے بعد بغاوت کی تاہم اسے فرو کر دیا گیا ایک ماہ میں ہیفاکشن نے استس کے قصبے پر قبضہ کر کے اسے جان بچا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا یہاں پر سکندر باقی ماندہ فوج کے ساتھ آ کر مل گیا اور متحدہ فوج ٹیکسلا پہنچی جہاں راجہ امبھی نے اس کی ایک مہینے تک میزبانی کی۔

ٹیکسلا میں قیام کے دوران سکندر نے پورس کو اطاعت کا اظہار کرنے اور اس کے پاس حاضری دینے کے

لیے ایلچی بھیجا اس موقع کو یونانی مورخ کیورٹیس یوں بیان کرتا ہے "سکندر نے یہ سوچ کر کہ دیگر بادشاہوں کی طرح پورس بھی اس کا نام سن کر رعب میں آ جائے گا اس کے پاس اپنا سفیر کلیوکیرس بھیجا اور پیغام دیا کہ "پورس اطاعت قبول کر کے اپنی سلطنت کی سرحدوں پر آ کر مجھ سے ملاقات کرو" پورس نے جواب دیا "ہاں میں ضرور ملاقات کروں گا لیکن یہ ملاقات میدان جنگ میں ہتھیاروں کے سائے میں ہوگی اور تم میری سرحدوں میں ہتھیار بند ہو کر آنا"

فردوسی نے تفصیل سے دونوں بادشاہوں میں خط و کتابت کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے مختصر یہ کہ دونوں لشکروں نے فوجی طاقت کے مظاہرے کے لئے دریائے جہلم کے کناروں کا انتخاب کیا۔

سکندری فوج کی جہلم کی جانب روانگی کے عین موقع پر آرکوشی قبیلے کو بغاوت پر اکسانے والا باغی سردار بارزینٹس (برھت؟) پابجولاں اس کے پاس لایا گیا اس واقعے میں ایک اور ہندوستانی ریاست کے بادشاہ سماکسس کو گرفتار کیا گیا اس دوران تیں ہاتھی بھی یونانی پڑاؤ میں شامل کر لیے گئے قبل ازیں راجا امبھی نے ٹیکسلا سے چھپن ہاتھیوں کو تحفے کے طور پر پیش کیا تھا اس طرح اب چھیاسی خونخوار جنگی ہاتھی بھی لڑائی کے لئے تیار تھے۔

دونوں بادشاہوں میں جنگ کے بیان سے پہلے دونوں فوجوں کی جنگی صلاحیت اور معاشی روایات کی تفصیل بتانا غیر ضروری نہیں ہوگا۔

سکندر کے باپ فلپ نے وسیع بنیادوں پر قومی فوج کھڑی کی تھی شہ سواروں کے علاوہ منجنیق چلانے کے ماہر بھی بھرتی کیئے گئے اس طرح جنگ کے دوران تیزی سے حرکت کرنے والے سپاہی مختلف طریقوں سے حملے کے ماہر تھے سکندر کے پاس مکمل اور فعال کردار کی حامل فوج تھی اسے ان حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) خواص (اجیما)

یہ دستہ اعلیٰ خاندانوں سے چنے شہسوار افراد پر مشتمل تھا یہ گھڑسوار آہنی زرہ پہنے ہوتے تھے اس دستے کا ایک حصہ پیدل فوج پر بھی مشتمل ہوتا تھا لڑائی کے شروع میں ان کی تعداد پندرہ

سو ہوتی تھی تاہم عین جنگ کے درمیان انکی تعداد پانچ ہزار ہو جاتی یہ مقدونوی فوج کا سب سے اہم حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

(2) ہو پلاں (ہو پلی تس)

اس فوج میں شامل جنگجو سر سے پاؤں تک بھاری زرہ اور ہتھیاروں سے لیس ہوتے تھے جن میں تلوار، نیزہ اور کھانڈا شامل ہیں۔ بھاری توپخانے (منجنیق) کے ساتھ یہ دستہ بڑی لڑائیوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

(3) زرہ بند (ہپا سپِس)

آہنی زرہ اسپس کی وجہ سے انہیں ہپا سپِس کہا جاتا ہے۔ یہ ہو پلاں کی طرح بھاری ہتھیاروں سے لیس نہیں ہوتے تھے اور نسبتاً تیزی سے پیشقدمی کرتے تھے۔ ان کے نیزے چھوٹے، تلواریں ہلکی مگر لمبی اور زرہ کم وزن ہوتی تھی۔ عام حالات میں ان کی تعداد تین ہزار ہوتی مگر جنگ کی شدت بڑھنے پر یہ تعداد دوگنا ہو جاتی۔ اکثر یہ اجیما میں شامل پیدل فوج کی مدد کا کام کرتے تھے۔

(4) فالینکس

یہ فوجی بھی دفاعی زرہ جس میں ہیلمٹ، چھاتی کی پلیٹ اور کولہوں کے بچاؤ کا بندوبست ہوتا پہنے ہوتے تھے تاہم گھٹنے سے پاؤں کے درمیان ٹانگ پر زرہ نہیں تھی۔ ان کے پاس چار فٹ لمبی تلوار، لمبی ڈھال اور لمبے نیزے (سریسا) ہوتے۔ سریسا 24 فٹ لمبا نیزہ تھا جس کے دستے کی لمبائی چھ فٹ تھی تاکہ سپاہی اپنا توازن بخوبی برقرار رکھ سکے۔ پہلے اس کا پھل 18 فٹ تھا لیکن سکندر کے باپ فلپ نے اسے کم کرکے 16 فٹ کر دیا۔ جب اگلی صف کا ایک سپاہی مارا جاتا تو دوسرا فوری طور پر آگے آ کر جگہ پر کر لیتا تاکہ صف کا قاعدہ خراب نہ ہو۔ جب یہ دستہ پیشقدمی کرتا تو محسوس ہوتا تھا کہ لشکارے مارتے لوہے کا ایک جنگل حرکت کر رہا ہے۔ سکندر کی فوج میں فالینکس کے سات دستے تھے جن کی قیادت کلی

توس (وی وائٹ)، اینٹی گونس، ملیاگر، اٹلس، گارجیا، پولی پارکان اور الکٹاس کرتے تھے۔ مورخ تارن کا اندازہ ہے کہ سکندر کے توپخانے میں 15 ہزار سپاہی شامل تھے۔

(5) شہسوار

توپخانے کے علاوہ سکندر کی فوج میں 5300 شہسوار شامل تھے۔ دو رجمنٹ پر مشتمل اس حصے کا جرنیل کونوس تھا۔ رجمنٹ کے ساتھ تھاریسی اور تھیسالی کیولری پر مشتمل دستہ اگریانیاں بھی شریک ہوتا تھا۔ ایشیا میں سکیتھی تیر اندازوں کو بھی رجمنٹ میں شامل کیا گیا تھا۔ جن کے پاس بھاری کمان خطرناک ترین ہتھیار کے طور پر کام کرتی تھی۔ ان کا نشانہ ٹھیک ہدف پر لگتا اور تیر فولادی ڈھال تک کو پھاڑ ڈالتا۔ انہیں دشمن فوج کو فاصلے سے خوف وہراس میں مبتلا کرنے پر ملکہ حاصل تھا۔ تارن کا خیال ہے کہ سکندر کی فوج میں 14 ہزار 500 تیر انداز شامل تھے۔

(6) ہاتھی

فوج میں 86 ہاتھی بھی شامل تھے جو ٹیکسلا کے شاہ امبھی نے سکندر کو دیے تاہم مورخ ان ہاتھیوں کے جنگ جہلم میں کسی قابل ذکر کردار کی کوئی نشاندہی نہیں کرتے۔

(7) منجنیق

دشمن فوج پر 300 گز سے پتھر پھینکنے کے لئے استعمال کی جانے والی منجنیقوں کو یونانی بلاسٹس اور کاتا پلٹس کہتے تھے۔

سکندر کی فوج میں اس کے دوست ٹیکسلا کے بادشاہ امبھی کے 5 ہزار مسلح جنگجو بھی شامل تھے۔ پوری فوج بھرپور منظم اور تربیت یافتہ تھی۔ ان کی اپنے سپہ سالار سے وفاداری کسی شک وشبہ سے بالاتر تھی۔

دوسری جانب پورس کی فوج میں زیادہ تعداد مغربی پنجاب کے باشندوں کی تھی۔ یونانی دانشور لکھتے ہیں کہ

''اس خطے کے افراد ایشیا کے طویل القامت لوگوں میں سے تھے۔ ان کا قد پانچ ہاتھ (تقریباً چھ فٹ) تھا ان کی رنگت حبشیوں کو چھوڑ کر سیاہ ترین تھی ان کی داڑھیاں بارعب اور وجاہت آمیز تھیں یہ لوگ نفیس کپڑا پہنتے جو پاؤں تک لمبا ہوتا تھا۔ سر پر سوت یا لٹھے کی پگڑی پہننا، ان کا امتیازی وصف تھا۔ بالوں کو اچھی طرح کنگھی کر کے رکھتے تاہم کٹوانے کی زحمت کم ہی کی جاتی تھی۔ مونچھیں بڑی بڑی اور داڑھی رکھتے تھے۔ چہرے کا باقی حصہ صفاچٹ ہوتا۔ کانوں میں قیمتی پتھروں والا زیور پہنتے تھے۔ امراء طلائی کنگن اور ہار بھی پہنتے تھے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ عیش پسند لوگ نہیں تھے لیکن اپنے منفرد طرز زندگی نے انہیں ایشیا کے باقی لوگوں سے ممتاز بنا رکھا تھا۔''

پورس ایک زمانے سے ہندوستان میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں ایک عظیم فوج تیار کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ ویدوں میں ہمیں توپخانے (پٹی) بگھیوں (رتھوں) کا ذکر ملتا ہے دیگر عہد نامے بتاتے ہیں کہ اس دور میں فوج توپخانے، رتھوں، شہسواروں اور ہاتھیوں پر مشتمل چار حصوں میں تقسیم ہوتی تھی بعض فوجیں آٹھ حصوں پر مشتمل ہوتیں جن میں توپخانہ، بگھیاں، گھوڑے، ہاتھی، بحری جہاز، جاسوس اور مقامی لوگوں کے رہنما (گائیڈ) شامل ہیں۔

کوتلیہ ہمیں بتاتا ہے کہ کچھ بادشاہوں نے خشک موسم اور ریتلی زمین کے لئے اونٹوں کے قافلے بھی تیار کر رکھے تھے علاوہ ازیں زخمیوں کے علاج معالجے کے لئے سپیشلسٹ ڈاکٹر اور میدان جنگ سے محفوظ مقام پر منتقلی کے لئے ایمبولینسوں (ریڑھوں، بگھیوں) کا بندوبست بھی ہوتا تھا۔ نرسیں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے موجود ہوتیں۔ علاوہ ازیں مذہبی پروہت اور ماہرین علم نجوم سپاہیوں کو بشارتیں سنا کر ان کے حوصلے بلند کرتے رہتے۔

فوج میں بھرتی مختلف انداز میں کی جاتی تھی۔ بادشاہ کے رشتہ داروں اور وفاداروں کا دستہ ''مولا'' کہلاتا، تنخواہ پر منتخب فوجیوں کو ''بھرتا''، جنگجو قبائل کے رکن ''شرینی''، اتحادی ملکوں کے فوجیوں کو ''مرجالا'' اس طرح دشمن ملک کے اندر سے بھرتی ہونے والے ''امرت بالا'' کہلاتے تھے۔ ذات کی بنیاد پر بھرتی میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا۔

کوتلیہ بتاتا ہے کہ فوج میں برہمن کھشتری، ویش اور شودر چاروں طبقے خدمات سرانجام دینے میں آزاد تھے۔

ہم پہلے ہی اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ پنجاب میں تمام ذاتوں نے اپنی جنگجو شاخیں قائم کر رکھی تھیں۔ کوئی بھی بادشاہ رقم دے کر ان کی خدمات اور وفاداریاں خرید سکتا تھا۔ بلاشبہ کھشتری کو اس کے جنگجو پس منظر کے حوالے سے سب سے عمدہ فوجی تصور کیا جاتا تھا۔

پورس کی فوج میں یہ حصے شامل تھے۔

(1) توپخانہ

منجنیق کو دیگر ہتھیاروں پر برتری حاصل تھی کیونکہ یہ ہتھیار ہر قسم کے حالات اور موسم میں کارگر ثابت ہوتا تھا توپخانے کے سپاہی کے پاس بائیں ہاتھ میں ایک زبردست کمان ہوتی اور دائیں میں تیر اور وہ پوری قوت سے تیر کو مخالف فوج کی طرف پھینکتا۔ اس عمل میں کمان کو زمین پر رکھ کر چلایا جاتا، ہڈی یا لوہے سے بنے تیر 3 گز تک لمبے ہوتے تھے۔ تیروں کی چوٹ اس قدر شدید ہوتی کہ ڈھال، چھاتی پر رکھی آہنی پٹیاں اور دیگر مزاحم چیز دولخت ہو جاتی کچھ فوجیوں کے پاس کلہاڑا، کھانڈا، خنجر اور چھری جیسے ہتھیار بھی ہوتے تھے۔ جسم پر آہنی زنجیریں ان پر حملہ روکنے کا کام دیتیں۔ تمام سپاہیوں کے پاس تین گز تک لمبی اور تیز دھار والی تلوار ہوتی۔ دست بدست لڑائی میں اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر مقابلہ کیا جاتا تھا۔ تلواریں تین قسم کی چپٹی لمبی، تیر اور کمان کی شکل جیسی ہوتی تھیں۔ کوتلیہ نے زرہوں کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں۔ لوہا جالا (آہنی زنجیروں والی زرہ) لوہا پٹا (لوہے کی چادر والی زرہ) اور گینڈے، مگرمچھ، ہاتھی کی دبیز کھالوں سے تیار کی گئی زرہ۔ سر کی حفاظت کے لئے ہیلمٹ (خود) بھی بنائے جاتے تھے۔

(2) بگھیاں

بگھیوں پر مشتمل دستہ فوج کا نہایت اہم جزو تھا۔ بگھیوں کو دشمن کے حملوں سے بچاؤ کے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں جنگ کے دوران پوزیشن اور حکمت عملی

میں تبدیلی بھی انہی کے ذریعے ہوتی۔ دشمن کی صفوں کو تتر بتر کرنے کے لئے بگھیوں کو اندھا دھندائی قطاروں میں گھسیڑ دیا جاتا تھا ہر بگھی کو چار گھوڑے کھینچتے تھے۔ ساڑھے سات فٹ اونچی اور 9 فٹ چوڑی بگھی پر زرہ بند چھ سپاہی سوار ہوتے تھے۔ دو ڈرائیور نہ صرف بگھی کا کنٹرول چلاتے بلکہ دست بدست لڑائی میں باگ چھوڑ کر دشمن پر حملہ آور ہو جاتے۔ میدانی علاقوں میں بگھی کے استعمال میں گوناگوں اضافہ ہو جاتا تھا۔

(3) گھڑسوار

فوج کے ضبط کے لئے شہ سواروں کی قطاریں بنائی جاتی تھیں۔ یہ گھڑسوار نہ صرف لڑائی کی نوعیت تبدیل کرتے بلکہ فوج کے جانبی حصوں کی حفاظت کرتے تھے۔ سندھ وا، کمبوجہ اور بالہیکا کے علاقوں کے گھوڑوں کی بھاری قیمت ادا کی جاتی تھی۔ آرین کی تحقیق ہے کہ ہندوستانی گھڑسوار گھوڑے کی پشت پر زین نہیں رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں انہیں لگام ڈالنے کے بجائے بیل کی طرح ان کے منہ پر "کھوپے" چڑھا کر ان کی سمت درست رکھی جاتی تھی۔ گھوڑے کے منہ کے اندر لوہے کا ٹکڑا ڈال کر لگام ڈال دی جاتی لیکن میگا ستھنز نے سواری کی مختلف روایت بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستانی لوگ گھوڑوں کو لگام سے قابو میں رکھتے وہ ان کے منہ میں لوہے کی سلاخ ڈال کر انہیں تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے تھے۔ اس دور میں گھوڑے کے جسم کو کسنے والا شکنجہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس طرح زین اور شکنجے کے بغیر سواری یقیناً غیر آرام دہ ہوتی ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ شہ سواری کا شعبہ ہندوستانی فوجوں کا ایک کمزور حصہ ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے یونانی فوج کو ایشیائی جنگجوؤں پر برتری تھی اور وہ ان کے مقابلے میں کافی طاقتور تھی۔ ہندوستانی فوج میں تیر انداز، گھڑسواروں کے الگ شعبے کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔

(4) ہاتھی

ہندوستانی فوج کا چوتھا اور اہم حصہ جنگی ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ کوتلیہ ان کی مہارت کی بہت تعریف کرتا ہے، وہ بیان کرتا ہے کہ ہاتھیوں کی ایک قطار فوج کے آگے چلتی

دیوہیکل جانور اونچی نیچی زمین کو ہموار بناتے، جھاڑیاں جھنکار روندتے دشمن فوج کی صفوں کو درہم برہم کرتے ان کے پڑاؤ میں آگ لگاتے اور اپنے کیمپ میں لگی آگ سونڈ میں پانی بھر کر بجھاتے تھے۔ ہاتھیوں کو قلعوں کے دروازے، ستون، حصار توڑنے اور حریف فوج کو وحشت زدہ کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا۔ گرمیوں کے سوا انہیں ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ بارش میں تو ان کی کارکردگی دوچند ہو جاتی۔ ہاتھی کے اوپر مہاوت کے علاوہ تین تیر انداز سوار ہوتے دو اطراف میں جبکہ ایک پشت پر تیر پھینکنے کا کام کرتا تھا۔ یہ سپاہی کھلے یا بند ہودوں پر بیٹھے ہوتے یا ہاتھی کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوتے۔ بادشاہ یا جرنیل کا ہودہ چمکتے مینار کی طرح لگتا تھا۔ اسے انتہائی خوبصورتی سے سجایا جاتا تھا۔ ہودے میں بڑی تعداد میں آتشیں تیر، لکڑی کے نیزے اور دیگر ہتھیار رکھے جاتے۔ ہاتھیوں کے منہ کو تانبے یا فولادی پٹیوں سے ڈھکا جاتا جبکہ باہر کے بڑے دانتوں پر تیز دھار تلواریں باندھی جاتی تھیں، کوتلیہ نے ہاتھیوں کے مختلف اعضا کو آہنی چادر میں ڈھکنے کی تفصیلات بھی بتائی ہیں۔

ہاتھی دشمن کی فوج کو الٹا کر رکھ دیتے ہر طرف تباہی اور ویرانی کا منظر نظر آتا۔ 326 قبل مسیح میں سکندر اور پورس کے درمیان لڑائی سے لے کر شہنشاہ اکبر کے جرنیل منعم خان اور بنگال کے پٹھان سلطان داؤد خان کیرانی کے درمیان خونریز تصادم تک ہاتھیوں کے حملے کا کوئی توڑ نہیں کیا جا سکا تھا۔ ہاتھیوں کے دیوہیکل اور طاقتور جسم شہسواروں کے با آسانی حملہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ فیصلہ کن جنگوں میں ہاتھی دشمن کی تباہی اور شکست لانے کا ذریعہ بن گئے۔ بلند ہودے پر بیٹھ کر فوج کا کمانڈر نہ صرف دشمن کے حملوں کا جائزہ لے سکتا بلکہ اپنی فوج کو بھی مناسب ہدایات جاری کر سکتا تھا۔

کوتلیہ نے بعض جنگی مشینوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ہم ان کی تکنیک اور استعمال کے بارے میں نہیں جانتے۔ ایک اور مورخ ڈایوڈورس لکھتا ہے کہ "پورس کی فوج میں 50 ہزار پیادے، تین ہزار شہسوار، ایک ہزار بگھیاں اور 130 ہاتھی موجود تھے۔"

پوری فوج متحدہ کمان کے تحت ایک پرچم تلے لڑتی، جھنڈے پر دیوتا (جسے یونانی ہرکولیس کہتے ہیں مگر وہ

شاید وشنو مہاراج یا گنیش مہاراج کی شبیہ تھی) بنا ہوتا پورس اور سکندر کی جنگ کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ پورس کی فوج مربوط اور منظم تھی۔ یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ مختلف قبائل جنہیں فوج میں بھرتی کیا گیا تھا۔ اپنے قبیلے کے کسی جنگجو کی کمان میں لڑائی کرتے۔ قدرتی بات ہے کہ ایک کمانڈر دوسرے کمانڈر سے الگ اپنے منصب کے لحاظ سے کام کرتا تھا۔

کوتلیہ بتاتا ہے کہ 200 پیادے، 10 بگھیاں، 50 گھوڑے اور 10 ہاتھی مل کر ایک سکواڈرن بناتے جس کے کمانڈر کو پادیکا کہا جاتا۔ اس قسم کی 10 اکائیاں یعنی 2 ہزار پیادے، 100 بگھیاں، 500 گھوڑے اور 100 ہاتھی، سیناپتی کے ماتحت ہوتے۔ یوں 10 کمپنیاں یعنی 20 ہزار پیادے، ایک ہزار بگھیاں، 5 ہزار گھڑ سوار اور ایک ہزار ہاتھیوں پر مشتمل رجمنٹ کی کمان میاکا کے سپرد کی جاتی۔ توپخانے کا ایک اعلیٰ تربیت یافتہ افسر چیتا دھیاکسا مقرر ہوتا تھا۔ اس طرح دیگر شعبوں کے لئے الگ افسر مقرر کیے جاتے تھے۔ ایک جنگی دفتر میں بیوروکریٹک نظام کام کرتا جسے مالی معاونت فراہم کرنے کے وسائل پیدا کیے جاتے۔ اگر کسی فوج کو حکومت کی کارکردگی اور مضبوطی کا پیمانہ تصور کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ پورس کی فوج ایک بھرپور طاقت تھی۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سکندر اور پورس دونوں کی فوجوں میں بعض خوبیاں اور بعض خامیاں پائی جاتی تھیں۔ یونانی فوج ہتھیاروں اور اپنی صلاحیت جبکہ ہندوستانی سپاہی تعداد کے لحاظ سے برتر تھے۔ علاوہ ازیں موسم بھی ان کے لئے موزوں تھا۔

8

جنگ جہلم

8

جنگ جہلم

پورس کی طرف سے شرائط مسترد ہونے کے بعد سکندر نے جہلم کی طرف چڑھائی کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن دھاڑتا، چنگھاڑتا دریائے جہلم اس کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھا۔ پورس اپنی بھاری فوج کے ساتھ دریا کے دائیں کنارے پر خیمہ زن ہو گیا۔ آرین لکھتا ہے کہ "اس اقدام کا ایک مقصد سکندر کی پیش قدمی کو روکنا دوسرے دریا پار کرنے کی صورت میں اس پر حملہ کرنا تھا"

اس منصوبے کا علم ہوتے ہی سکندر نے اپنے جرنیل کوئنوس کو حکم دیا کہ دریائے سندھ عبور کرنے کے لئے بنائی گئی سینکڑوں کشتیاں توڑ کر دریائے جہلم (ہائیڈاسپس) پر لائی جائیں تاکہ انہیں دوبارہ جوڑ کر دریا پار کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔ چھوٹی کشتیوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا جبکہ 30 چپوؤں والی کشتیوں کے تین حصے بنا کر انہیں بیل گاڑیوں کے ذریعے دریائے جہلم کے کنارے منتقل کر دیا گیا جہاں انہیں دوبارہ کشتیوں کی شکل دے کر دریا پار کرنے کے لیے بیڑا تیار کیا گیا۔ یہ انتظامات مکمل ہونے کے بعد سکندر اپنی اور ٹیکسلا کی فوج کے ساتھ جہلم کی طرف بڑھنے لگا تیز بارشوں کی وجہ سے دریا پار کرنا کافی دشوار ہو گیا تھا۔

جنرل چیسنکی کا خیال ہے کہ "سکندر نے جہلم پہنچنے کے لئے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ انتہائی جنوبی پٹی سے ہوتے ہوئے کوہ نمک (سالٹ رینج) کے قریبی دریائی پاٹ کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔ اس

کے بائیں طرف ٹلہ اور روہتاس کے علاقے تھے وہ بھنڈرندی کی گزرگاہ والی تنگ گھاٹی سے گزرتے ہوئے موجودہ جلالپور شریف کے پاس دریائے جہلم کے کنارے نمودار ہوا۔"

کننگھم بھی جنرل چیسنی کی تحقیق سے متفق ہوتے ہوئے رقم طراز ہے کہ سکندر نے راولپنڈی، مانکیالا اور روہتاس کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ جنوب میں ڈھڈیال سے ہوتے ہوئے پہلے اسانوت، ونگ اور پھر جلال پور پہنچا۔ سکندر کا فوجی پڑاؤ جہلم کے کنارے شاہ کبیر سے لے کر چھ میل پر پھیلا ہوا تھا اس کے خیمے جلالپور کے شمال مشرق میں دو میل اور سید پور تک چار میل تک بکھرے ہوئے تھے۔

تاریخ دان اے برنس، جنرل کورٹ اور جنرل ایبٹ اس خیال سے متفق نہیں ان کا کہنا ہے کہ سکندر نے جہلم کے لئے بالکل سیدھا اور روایتی راستہ اختیار کیا اس نظریے کے حق میں وی اے سمتھ اور ای آر یوان کی تحقیق ہے کہ سکندر روہتاس کے پاس شاہ ڈھیری اور درہ بکوالہ پار کرتے ہوئے دریائے جہلم پہنچا کیوں کہ یہاں دریا کا پاٹ جلالپور شریف کے قریب پاٹ کی بہ نسبت ایک تہائی کم تھا۔ اسی راستے کو قدیم مورخ سٹرابو نے بھی سکندر کی گزرگاہ قرار دیا ہے کیونکہ سکندر نے فوجی نقل و حمل کے لئے ہمیشہ پہاڑوں کے دامن کو ترجیح دی کیونکہ یہاں کھلے میدان کی بہ نسبت دریاؤں کو پار کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ سکندر دریائے جہلم کے ایک کنارے اور اس کا حریف راجا پورس اپنی فوج کے ساتھ دوسری طرف خیمہ زن ہو گیا۔

کیورٹیس اس منظر کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

"دریا چاروں سمتوں میں 809 گز کے وسیع علاقے پر پھیلا نظر آ رہا تھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زیادہ پھیلاؤ سے اس کی تیزی میں کوئی فرق آ گیا تھا۔ جہلم ایسا تند خو، جوشیلا دریا محسوس ہو رہا تھا جسے دونوں طرف سے تنگ کناروں میں قید کر دیا گیا اس کے علاوہ کئی مقامات پر ڈوبی چٹانوں کی وجہ سے پانی کے اندر ڈھلوانیں سی بن گئی تھیں کناروں پر ایک اور دنیا آباد تھی جہاں تک نگاہ جاتی وہاں تو پیادے، شہسواروں کے دستے دکھائی دے رہے تھے اور ان کے درمیان تباہی پھیلانے والی بھاری بھرکم بلائیں، ہاتھی، نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ مہاوتوں کی طرف سے انہیں قابو رکھنے کی کوشش میں ان کے کان تکلیف میں رہتے جس سے ہاتھی دہشتناک چنگھاڑیں مار رہے تھے"۔

میدان جنگ میں فوجیوں کا شور، گھوڑوں کی ہنہناہٹ، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، بگھیوں کی دریا جیسی غراہٹ آمیز کھنکھناہٹ، افق پر تا حد نظر پھیلے لوگ، گاڑیوں کی چمک، ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آواز، دیوہیکل ہاتھیوں کی ہیبت ناکی، قطار اندر قطار خیمے اور قناتیں ادھر ادھر گھومتے فوجی دستوں سے ہم اس وقت کی چمک دمک اور رومان آمیزی کا بخوبی تصور کر سکتے ہیں۔ مسلسل نگرانی، تجسس، عصاب شکن ہوشیار کیفیت اور گہری توقعات سے ہر فوجی عصابی تناؤ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

دونوں کنارے فریقین کے لئے ایک چیلنج بن گئے تھے۔ دریائے جہلم پر دونوں فوجیں حیرانگی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں اور اپنے حصے کے لئے کچھ کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھیں۔ دریا کی چوڑائی جہلم کے قریب 809 گز جبکہ جلالپور میں اس سے دگنی تھی جس سے حملہ کرنے کی کوشش بیکار نظر آ رہی تھی۔

دونوں فوجیں مئی سے جون کے اختتام یا اوائل جولائی تک ایک دوسرے کے خلاف مکمل تیاری اور بے چینی کی حالت میں رہیں۔ جہلم بدستور ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پورس کی فوج اگرچہ سکندر کے مقابل تھی تاہم اس نے دریا کے ان تمام علاقوں پر نگران دستے بھیج رکھے تھے جہاں سے ممکنہ طور پر جہلم کو پار کیا جا سکتا تھا۔ سکندر نے بھی اپنی فوج کو مسلسل حرکت میں رکھا۔ وہ کبھی ایک جگہ پڑاؤ کرتا کبھی دوسری جگہ۔ اس طرح اس نے اپنے حریف کو مستقل الجھاؤ میں ڈال دیا اور پورس اس کے عزائم جاننے میں مشکل کا شکار تھا۔ اس مقصد کے لئے سکندر نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جبکہ اپنی کمان میں اس نے چند دستے رکھے۔ یہ فوجی ٹکڑیاں مختلف سمتوں میں پیش قدمی کرتی تھیں۔ وہ علاقے کی صورتحال جانچنے کے علاوہ دریا پار کرنے کی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا اس نے بیک وقت کئی جرنیلوں کو مختلف ڈویژن کے ساتھ مختلف سمتوں پر تعینات کر رکھا تھا وہ اس حکمت عملی سے مدمقابل پورس کو مرعوب کرنے کا خواہاں تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح برسات کا موسم ختم ہو جائے کیونکہ اکتوبر میں سرما کے آغاز پر پانی کی سطح گر جاتی تھی۔

اگرچہ اس نے فوجیوں میں اکتوبر تک انتظار کا ارادہ مشہور کر رکھا تھا تاہم وہ مسلسل ایسے مقام کی تلاش میں رہا جہاں سے دریا کو چپکے سے پار کیا جا سکے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ پورس کی فوج کے عین سامنے سے جہلم کو پار کرنا ناممکن تھا جو ہمہ وقت دریا پار کر کے پہنچنے والی مقدونوی فوج پر جھپٹنے کے لئے تیار رہتی اس

نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کے گھوڑے، ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے بلکہ ان کی ہیبت سے ممکن ہے کشتیوں سے دریا میں کود کر بہاؤ کی نذر ہو جائیں اس لئے وہ ایسے خفیہ راستے تلاش کر رہا تھا جن سے گزرتے ہوئے پورس کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو وہ رات کو فوج کے پڑاؤ سے نکلتا اور دریا کے کنارے مختلف سمتوں میں مارا مارا پھرتا اس نے باقی فوج کو ہدایت کی کہ وہ ایسی آوازیں اور شور پیدا کرے جس سے یہ تاثر پیدا ہو کہ شاید سکندر کی فوج دریا کو پار کرنے کے لیے تیار ہے اس حکم پر یونانی فوجی جنگ کے دیوتا ''ریناِلس'' کے نام کے نعرے لگاتے۔

صورتحال دیکھتے ہوئے پورس بھی اپنے ہاتھیوں سمیت یونانی فوج کے مخالف سمت میں پیش قدمی کرتا اس کے فوجی سکندر کے بعض دستوں کو دریا پار کرنے کی کوشش میں مار بھگاتے۔

ہر رات حملہ، پسپائی، پیش قدمی اور تعاقب کی آنکھ مچولی ہوتی۔ یہ کیفیت کئی رات جاری رہی تو پورس کو گمان ہونے لگا کہ یونانی فوج شاید دریا پار کرنے میں سنجیدہ نہیں اس طرح ایک رات سکندر کا شہسوار دستہ اپنے پڑاؤ سے نکلا تو پورس نے کوئی جوابی اقدام نہ کیا بلکہ اس کے فوجی اپنی صفوں میں رہے تاہم اس کے جاسوس دریا کے نسبتاً کم چوڑے مقامات پر بدستور تعینات دشمن پر نظر رکھے رہے یہ بات نظر آ رہی تھی کہ پورس اپنی تیاری میں کچھ نرم پڑ گیا تھا۔

اسی دوران جنگی کشتیاں مسلسل دریا کے بہاؤ اور مخالف سمت میں گشت کرتی رہیں جن میں گھاس پھونس اور اسلحہ سے لیس فوجی سوار تھے یہ فوجی اپنی تلوار ہاتھوں میں بلند کر کے دریا کے بیچوں بیچ کہیں کہیں جزیروں پر بڑھتے ہوئے چڑھ جاتے اور آپس میں مقابلے کرتے۔ ان کی کامیابی اور ناکامی سے دریا کے کنارے فوجوں میں خوشی یا مایوسی کا تاثر پھیلا رہتا۔ ایک روز مہم جو کمانڈر سماکوس اور نکانور کی قیادت میں جذباتی سپاہیوں کی ٹکڑی نیزے تھامے تیرتے ہوئے اس ننھے جزیرے پر چڑھ گئی جہاں پورس کے فوجی موجود تھے۔ ان معدودے حملہ آوروں نے جزیرے پر اترتے ہی چند مخالف فوجیوں کو ہلاک کر دیا تاہم پورس کی طرف سے زیادہ فوجی آنے پر ان میں سے بعض مارے گئے اور کچھ جان بچا کر واپس اپنے پڑاؤ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پورس کے آدمی کنارے پر کھڑے امید افزا حالت میں یہ منظر دیکھتے رہے ایسے چند اور واقعات ہوئے جن سے حریف فوجوں میں مسرت و شادمانی اور مایوسی پھیل گئی۔

سکندر کو بالآخر اپنے پڑاؤ سے 17 میل دور ایک مناسب مقام دریا پار کرنے کے لئے مل گیا اس جگہ پر دریا نے کافی حد تک ایک موڑ لیا ہوا تھا، اس جگہ کنارے پر درختوں سے ڈھکا ایک ابھار تھا جس نے توپخانے اور شہسواروں کو "کیموفلاج" کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اس ابھرے ہوئے مقام کے سامنے دریا میں ایک جزیرہ تھا جو گھنے جنگل سے بھرا ہوا تھا۔

کننگھم کا خیال ہے کہ یہ مقام کاندرنالہ (جلالپور کے قریب) کے قریب تھا لیکن تارن کی تحقیق ہے اس جگہ پر دریا کا موڑ اتنا نہیں جتنا آرین نے بتایا ہے۔ ایبٹ اور سمتھ کا کہنا ہے کہ جلالپور کے ساتھ منڈیالہ اور کوٹھرا کے درمیان دریا میں کوئی موڑ نہیں ہے یہ جگہ دراصل موجودہ جہلم شہر سے 14 میل کے فاصلے پر تھی جیسا کہ یونانی ادیبوں نے لکھا ہے کہ سکندر نے اپنے پڑاؤ سے 17 میل دور دریا کو پار کیا اس طرح موجودہ اور ماضی کے فاصلے میں زیادہ فرق نہیں رہ جاتا ان دونوں مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ جگہ منگلا کے جنوب مشرق میں بنتی تھی۔ سکندر کو اس مقام پر ایک اور فائدہ تھا کہ اس طرف دریا اندر کو دھنسا ہوا تھا جبکہ مخالف فوج کو باہر والی طویل کمان پر پھیلنا پڑتا تھا اس کا راستہ مختصر تھا لیکن مخالف فوج کو لمبا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔

دریا پار کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونے کے بعد سکندر نے محتاط طریقے سے اپنی نقل و حمل کی منصوبہ بندی کر لی، اس کے افسروں میں ایک جس کا نام اطلوس تھا، کی شکل وصورت اور قد و قامت بالکل اس سے مشابہ تھی اور وہ کسی کو بھی شبے میں ڈال سکتا تھا۔ سکندر نے نہایت چالاکی سے اطلوس کو پڑاؤ میں رکھا تاکہ وہ ظاہر کرے کہ سکندر بدستور فوج کے اندر موجود ہے اور فی الحال اس کا دریا پار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اس نے اطلوس کو شاہی تاج، لباس پہننے اور اپنے خیمہ میں رہنے کا اختیار دیا اس کی حفاظت کے لئے شاہی دستہ تعینات کر کے شاہی پھریرا بھی پوری طرح لہرا دیا گیا۔

دریا کی دوسری طرف پورس مطمئن تھا کہ اس کے سامنے مقدونی فوج بدستور خیمہ زن ہے اور سکندر بھی اس کے درمیان موجود ہے سکندر نے اس اثناء میں پولی پرکان، الکتاس، آراکوشین، پراپاسدان گھڑ سواروں کے کمانڈر کراتوس اور ہندوستانی پانچ ہزار فوجیوں سے کہا کہ وہ اس وقت تک دریا کے اس طرف کھڑے رہیں جب تک وہ جہلم کے دوسری جانب جا کر وحشت کی علامت ہاتھیوں کو جنگ

میں مصروف نہ کر لے کیونکہ یہ ہاتھی گھوڑوں کو خوفزدہ کرتے تھے اس نے پڑاؤ اور اپنے ٹھکانے کے درمیان حفظ ماتقدم کے طور پر میلی یاگر بنالیں اس طرح ایک اور جگہ پرگارجیا کی قیادت میں دستہ تعینات کیا انہیں حکم دیا گیا کہ جب فوجیں لڑائی میں اچھی طرح مصروف ہوں تو وہ دریا پار کر کے پہنچ جائیں۔

انتظامات کے بعد سکندر نے اپنے محافظ دستے، ہیفائیشن کی کمان میں شہسوار فوج، پردیکاس، گھڑسوار تیر انداز فالینکس، ہیپاچس، جنرل کلی توس، کوئنوس کا بریگیڈ اور دیگر تباہ کن تیر اندازوں کو اپنے ساتھ شامل کیا اس نے بالکل کنارے کے ساتھ پیش قدمی کے بجائے کافی فاصلے سے نقل و حرکت جاری رکھی تاکہ مخالف فوج کو اس کی پیش قدمی کا اندازہ نہ ہو سکے۔ مقدونوی فوج کی مختلف حصوں میں تقسیم، سپاہیوں کی نعرے بازی، جلتے الاؤ اور کئی راتوں سے جاری شور سے پورس اور اس کی فوج یہ سمجھنے لگی تھی کہ ابھی دشمن کا دریا پار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

ایک تاریک رات کو تیز اندھیری چل رہی تھی اور آسمانی بجلی دل دہلانے والی کڑک مار رہی تھی۔ طوفان کے ساتھ موسلا دھار بارش بھی ہونے لگی۔ پانی کے ریلے اور اولے خوفناک آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ پہاڑیاں اور جنگل دہشتناک انداز میں گونج رہے تھے، زمین چکنی اور پھسلن آمیز تھی اس سیاہ رات کے مشکل وقت میں مقدونوی کمانڈر سکندر نے اپنی فوج کو دھاڑ تا دریا پار کرنے کا حکم دیا۔ بجلی کی گرج چمک اور طوفان کے سرسراتے شور نے سپاہیوں کے ہتھیاروں کی آواز کو مخالف فوج تک نہ پہنچنے دیا جب طوفان ختم ہوا تو تاریکی نے آسمان کا منہ پوری طرح ڈھانپ دیا اس طرح قدرت کے قہر اور سکندر کی دلیری نے اسے دشمن کی نظروں سے چھپ کر پیش قدمی کرنے کی راہ ہموار کر دی وہ چپکے سے دشمن پر جھپٹنے کے لئے تیار تھا۔

زیادہ کشتیاں جو مختلف حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں، دوبارہ جوڑ لی گئیں اور انہیں درختوں کے ذخیروں میں چھپا دیا گیا۔ فوجیوں کے جسم پر حفاظتی کھالیں چڑھا کر انہیں انتہائی احتیاط سے سی دیا گیا اس وسیع پیمانے کی تیاریوں کے بعد یونانی دستوں نے دریا پار کرنا شروع کر دیا۔ سکندر خود ایک 30 چپوؤں والی بڑی کشتی پر سوار ہوا اور اس کے جرنیلوں نے اس کی تقلید کی۔

جہلم (ہائیڈ اسپس) کے اس طرف قدم رکھنے والا پہلا شخص سکندر خود تھا۔

اس نے پیچھے آنے والے شہ سواروں کی کشتیوں سے اترتے ہی صف بندی شروع کر دی۔ تاہم علاقے سے اپنی لاعلمی کی وجہ سے وہ اصل ہدف کے بجائے ایک بڑے جزیرے پر جا اترا یہ ٹکڑا اتنا بڑا تھا کہ پہلی نظر میں اس کے اصل کنارے نہ ہونے کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ دریا کی ایک شاخ نے اسے کنارے سے الگ کر رکھا تھا۔ یہاں عام حالات میں پانی اتنا گہرا نہیں ہوتا تھا لیکن رات بھر جاری رہنے والی بارش سے طغیانی آ چکی تھی ہر گھڑ سوار اپنے گھوڑے کی گردن کے سوا پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور اسے کنارے پر پہنچنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ توپخانے کے فوجی بھی چھاتی تک پانی کے اندر ڈوبے ہوئے تھے ریلہ اتنا تیز تھا کہ دریا کے پیندے میں قدم جما کر چلنا نہایت مشکل ہو گیا اس صورت حال میں کئی یونانی حوصلہ ہار بیٹھے خود سکندر نے بے چین ہو کر کہا "اے اہل ایتھنز کیا تم یقین کرو گے کہ تمہاری وفاداری اور خوشی کے لئے مجھے کتنے خطرات سے گزرنا پڑا" آخر کار کئی جانی اور مالی نقصانات کے بعد یونانی فوج دریا پار کر گئی اور اس دریا کو "سکندر کا دریا" کہا جانے لگا۔

سکندر نے جس علاقے پر قدم رکھا وہ کرِی کا میدان تھا اس کے شمال اور مشرق میں چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور وہ پانچ میل تک پھیلا ہوا تھا یوں جنگ کا میدان لگانے کے لئے یہ علاقہ گو وسیع نہیں مگر کافی تھا اس مقام پر آج کل سروال، ہکوال اور سکھ چین پورہ کے دیہات آباد ہیں۔ سکھ چین پورہ کے قریب ہی "نکایا" کا گاؤں ہے جسے سکندر نے اپنی فتح کی یاد میں آباد کیا تھا۔

دریا پار کرنے کے بعد سکندر نے صفیں درست کیں اور توپخانے کے ساتھ اڑھائی میل آگے روانہ ہوا۔ ابھی سکندر کی فوجیں سنبھلنے نہ پائی تھیں کہ پورس کے بیٹے کی کمان میں پنجابی سپاہیوں کے ایک دستے نے ان پر دھاوا بول دیا۔ یونانی تاریخ دان ارسطوبولس کہتا ہے کہ اس ٹکڑی میں 60 بگھیاں شامل تھیں لیکن تولوی اس سے متفق نہیں اس کا کہنا ہے کہ دستہ 120 بگھیوں اور 2 ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔

آرین متوخرالذکر انداز ے کی تائید کرتے ہوئے قدیم روایتوں کے حوالے سے کہتا ہے کہ "لڑائی انتہائی اہمیت کی حامل تھی ابھی یونانی فوج خشکی پر پوری طرح اتری نہیں تھی کہ پورس کے بیٹے کی قیادت میں

ہندوستانی فوجیوں نے اسے تلواروں اور نیزوں پر لے لیا سکندر جو شہسواروں کی کمان کر رہا تھا خود شہزادے کے ہاتھوں زخمی ہوا جبکہ اس کا چہیتا گھوڑا بوکفالس مارا گیا"

آر سی مجمدر کی تحقیق ہے کہ آرین اس جھڑپ کو تسلیم نہیں کرتا لیکن ہم آرین کے بیان کی تفصیل پڑھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے تولوی کی تحقیق کا یہ بتانے کیلئے حوالہ دیا ہے کہ پورس کے بیٹے کی قیادت میں فوج ساٹھ بگھیوں کی جگہ ایک سو بیس بگھیوں اور دو ہزار پیادوں پر مشتمل تھی۔ سکندر کی فیصلہ کن پیش قدمی کے عین موقع پر پورس کا بیٹا ہندوستانی فوج کیساتھ نمودار ہوا۔ سکندر نے پہلے اس کے مقابلے کیلئے گھڑ سوار تیر انداز بھیجے اور پھر خود باقی فوج کیساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ تولوی لڑائی میں سکندر کے زخمی ہونے اور اس کے گھوڑے بوکفالس کی ہلاکت کی تردید نہیں کرتا اس طرح آرین بھی ان حقائق کو مسترد نہیں کرتا تاہم ایک اور مورخ جسٹن اس واقع کو ذرا افسانوی رنگ دیتے ہوئے لکھتا ہے "سکندر نے میدان جنگ میں کود پڑنے میں کوئی وقت ضائع نہ کیا لیکن اس کا گھوڑا پہلے ہلے میں زخمی ہو گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ گرا اس موقع پر سکندر کے معاونین اور خدمت گزار اس کی طرف لپکے اور اسے بچایا"

پورس کے بیٹے کا حملہ بظاہر ناکام ہو گیا کیونکہ اس کی بگھی کیچڑ میں دھنس گئی عام زمین اور دریا میں زیادہ بارش کی وجہ سے امتیاز مشکل تھا جس کی وجہ سے وہ نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ یہی اس کی ناکامی کی وجہ بن گئی۔

پورس کے بیٹے کی قیادت میں فوجی ٹیم جاسوسی نکتہ نظر سے گشت کر رہی تھی اور حادثاتی طور پر سکندر کی فوج سے جا ٹکرائی یا دشمن لشکر کو دریا پار کرنے کے بعد وہ اسکی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکی؟
اس ضمن میں اے ای انسپاک کے خیال میں صداقت دکھائی دیتی ہے کہ جس وقت سکندر اور اس کی فوج نے خشکی پر قدم رکھا پورس کا بیٹا قریب ہی موجود تھا غالباً وہ مقدونوی لشکر کو مصروف رکھنا چاہتا تھا پورس نے مدد کیلئے سپاتس کو پیغام بھجوایا جس نے ساٹھ بگھیاں اور ایک ہزار گھڑ سوار فوری طور پر روانہ کر دیے کیورٹیس بیان کرتا ہے کہ جب راجا پورس کو خبر کی گئی کہ سکندر فوج کیساتھ دریا پار کر چکا ہے تو اس نے اسے محض افواہ سمجھا کیونکہ دریا کے اس طرف یونانی لشکر شاہی خیمے اور پروٹوکول کیساتھ بدستور موجود تھا پورس کو مکمل یقین تھا کہ جس فوج کی اسے اطلاع دی گئی ہے وہ اس کے اتحادی راجا ابھیشر یس کی ہے جس نے معاہدے کے تحت اس کی مدد کیلئے پہنچنا تھا۔

ایسے حالات میں پورس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس نے صرف تصدیق کیلئے سات میل دور اپنے بیٹے کو چھوٹی فوج کیساتھ بھیجا تھی کہ تولوی نے یہاں لشکر کی جو تعداد ظاہر کی ہے وہ اوپر بیان کیے گئے مقصد کیلئے ناکافی تھی۔ بغور جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر پورس لڑائی میں واقعی سنجیدہ تھا تو اس نے لازماً بڑی فوج مقدونوی لشکر کے ہراول پر دھاوا بولنے کیلئے بھیجی ہوگی کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور موقع ہو نہیں سکتا جب تھکا ہارا دشمن دریا پار کر کے سنبھلا نہ ہو اور اس پر چڑھائی کر دی جائے یہ حقائق بدستور اپنی جگہ قائم رہتے ہیں کہ سکندر کو پورس کے ایک لشکر سے اچانک اور حیران کن حملے کا مقابلہ کرنا پڑا۔

مقدونوی لشکر کے دریا پار کرنے کی خبر آسمانی بجلی کی کوندی کی طرح سنی گئی۔

کیورٹیس لکھتا ہے کہ جب آسمان کچھ صاف ہوا اور دشمن فوج کی صف بندی کا ذرا اندازہ ہوا، پورس نے اپنے بھائی ہگاس کی کمان میں چار ہزار گھڑ سوار اور ایک سو بگھیاں بھیجیں اور انہیں ہراول پیشقدمی کا حکم دیا اسی طرح سکندر نے اپنے جرنیل سکھنز اور ڈاہائے کو حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ وہ خود اپنے گھوڑے پر سوار دائیں طرف سے کارروائی کیلئے چل پڑا۔ میدان جنگ کے عین درمیان میں جب بگھی سواروں نے پوری شدت سے حملہ کیا تو لڑائی میں نہایت تیزی آ گئی۔

انکا خیال تھا کہ وہ اس طرح بہتر انداز میں ہندوستانی فوج کو فتح دلا سکتے ہیں یہ کہنا مشکل ہے کہ حملے میں کس فریق کو زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا پہلے ہلے سے بمشکل سنبھلنے والے یونانی پیادے بگھیوں کے حملے کا سامنا نہ کر سکے دوسری طرف کیچڑ میں گاڑیاں پھنس اور ٹوٹ جانے کے بعد فوجی اپنی بگھیوں سے کود کر مقدونوی لشکر پر ٹوٹ پڑے کچھ گھوڑے صورتحال میں بوکھلا کر بگھیوں سمیت قریبی جوہڑوں حتیٰ کہ دریا میں کود گئے۔

اسی دوران پورس اپنے لشکر کو جنگی حالت میں ترتیب دیتا رہا اس نے دریا پار مقدونوی کماندار کراتروس کی مخالف سمت میں تھوڑے سے فوجی (چار یا پانچ سو سپاہی اور پینتیس ہاتھی) چھوڑے جو دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھ سکیں۔ باقی فوج کے ساتھ اس نے ایک ہموار میدان کا انتخاب کیا پورس کی فوج میں آرین کی تحقیق کے مطابق چار ہزار گھڑ اسوار، تین سو بگھیاں، دو سو ہاتھی اور تیس ہزار پیادے موجود تھے ڈایوڈورس کہتا ہے کہ ایک ہزار بگھیاں پچاس ہزار پیادے جبکہ ایک سو تیس ہاتھی تھے دوسری طرف پلوٹرک کی تحقیق ہے کہ راجا پورس کی فوج محض بیس ہزار توپخانے اور دو ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل تھی۔

کیورٹیس لکھتا ہے پورس نے اپنی فوج کی سب سے اگلی صف میں 80 ہاتھی کھڑے کیے ان کے درمیان ساڑھے تیس گز کا وقفہ رکھا گیا پولیاتوس نے اس وقفے کی لمبائی پچاس گز بیان کی ہے ہاتھیوں کے پیچھے آتشیں ہتھیاروں سے لیس توپخانے کے سپاہی تعینات کیے گئے ان کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی کہ وحشی ہاتھیوں کے درمیان خلاء کو پر کیا جا سکے جنگ کے دوران خوفناک طبل اور نقارے بجانے والے بھی ساتھ تھے تارن کا خیال ہے کہ صرف قلب میں توپخانے نے ہاتھیوں کی عین پشت پر پوزیشن سنبھالی یونانی فوج نے خوب فاصلہ طے کر کے ان کے بائیں طرف ہتھیار سنبھال لیے جنگی پرچم کے طور پر دیوتا وشنو اور گنیش کی تصویر والے علم لہرا دیے گئے یوں ہندوستانی لشکر کی شکل ایک بڑے قلعے سے مشابہہ نظر آتی تھی جس میں ہاتھی ستون جبکہ شہسوار اور بگھیاں اس کی بنیادیں دکھائی دیتی تھیں اتنی بڑی تعداد میں لشکر دیکھ کر یونانی سوچ میں پڑ گئے اور ان کی پیش قدمی تھم گئی جیسا کہ کیورٹیس لکھتا ہے۔

صرف دیو ہیکل ہاتھی نہیں یونانی فوج پورس کو دیکھ کر بھی ششدر رہ گئی فوجی صفوں کے درمیان کھڑے ہاتھی دور سے دیکھنے پر بھاری ستونوں کی طرح دکھائی پڑتے تھے۔ پورس نے جس ہاتھی کو سواری کے لئے پسند کیا وہ سب سے طویل قامت اور عظیم الجثہ تھا جس کی وجہ سے اسے دور ہی سے میدان جنگ کی صورتحال کا علم ہو جاتا تھا خود پورس بھی لمبے قد کا آدمی تھا لیکن عظیم الشان ہاتھی کی سواری نے اس کی شخصیت میں عجیب سے ہیبت پیدا کر دی تھی یہی وجہ تھی سکندر حریف بادشاہ اور اس کی فوج کا بغور جائزہ لے رہا تھا اس موقع پر اس نے تاریخی فقرہ کہا" آخر کار میرے روبرو ایسا خطرہ ہے جو میری ہمت و حوصلے کے شایان شان ہے مجھے وحشی ہاتھیوں اور غیر معمولی دلیری کے حامل فوجیوں سے بیک وقت مقابلہ کرنا ہوگا۔" سکندر نے لڑائی کے لئے سادہ حکمت عملی اختیار کی اس نے اس ضمن میں آئنوس اور گاؤ گمیلا کے جنگی خطوط پر لڑائی کا ارادہ کر لیا تھا۔

لشکر کے دائیں سے بائیں جانب سکندر کی اپنی گھڑ سوار فوج تھی اس کے بعد برق رفتار دستہ (ہپاسپس) پھر زرہ بند فالینکس تیار کھڑے تھے لشکر کے اردگرد ہتھیاروں سے لیس سپاہی تعینات کیے گئے جہلم کے اس پار (پڑاؤ میں) اور دوسری طرف کے لشکر میں فرق یہ تھا کہ اس جانب گھڑ سواروں کی بڑی تعداد موجود تھی جبکہ پڑاؤ میں بہت کم شہسوار باقی چھوڑے گئے اس فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ایک حصے کی کمان سکندر نے اپنے ہاتھ میں رکھی دوسرا حصہ اپنے جرنیل کونوس کی کمان میں دے دیا۔

بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ کوئنوس کو دشمن فوج کے مخالف سمت میں دائیں طرف تعینات ہونے کا حکم دیا گیا کچھ مورخ اس خیال سے متفق نہیں ہیں کہ کوئنوس کو یونانی فوج کے دائیں جانب تعینات کیا گیا تارن کی تحقیق ہے کہ کوئنوس کو سکندر کی بائیں جانب سے پیش قدمی کا حکم دیا گیا تھا تا کہ پورس یہ سمجھے کہ کوئنوس شاید تیر انداز شہسواروں کی مدد کے لیے آگے بڑھ رہا ہے اس طرح جب پورس کے تیر انداز یونانیوں اور کوئنوس کی فوج کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کریں کوئنوس اچانک ہندوستانی فوج کے دائیں طرف سے ہوتا ہوا ان کی عقب سے حملہ آور ہو سکے۔ فالینکس کی کمان سلیوکس، انٹی جین اور ٹاورن کو دے کر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اس وقت تک پورس پر حملہ نہ کریں جب تک کہ یونانی فوج اس کے توپخانے اور شہسوار دستے کو درہم برہم نہ کر دے اس افراتفری میں باقی ماندہ مقدونوی سپاہیوں نے میدان جنگ میں کود پڑنا تھا۔

جسٹن لکھتا ہے کہ راجا پورس نے لڑائی سے پہلے سکندر کی حوالگی کا مطالبہ کیا کیونکہ وہی اس کا ذاتی دشمن تھا اس مطالبے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سکندر نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دیا ایک ہزار تیر اندازوں نے پورس کی فوج کے بائیں حصے پر مہلک حملہ کیا۔ یہ حصہ دریا کے انتہائی قریب تھا سکندر خود بھی خواص شہسواروں (اجیما) کے ساتھ پورس کے اس طرف حملہ آور ہوا حملہ اس وقت کیا گیا جب پورس کے سپاہی صفوں میں تھے اور ابھی ایک قطار میں تعینات نہیں ہو سکے تھے کوئنوس اسی موقع کے انتظار میں تھا اس نے بھی بائیں حصے پر شدید چڑھائی کر دی شہسواروں کے ان تابڑ توڑ حملوں سے قبل بگھیوں کو پیچھے ہٹا دیا گیا کیونکہ بھاری بھرکم بگھیاں کیچڑ میں تیزی سے حملہ کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتی تھیں البتہ شہسوار دستے دائیں، بائیں آگے پیچھے چاروں سمت سے دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے ٹھیک اس وقت منصوبہ بندی کے عین مطابق کوئنوس دائیں طرف سے آگے بڑھا اور پورس کے شہسوار دستے پر عقب سے حملہ کر دیا اس طرح ہندوستانی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ایک حصے پر سامنے کی طرف سے دھاوا بولا گیا تھا دوسرے کو عقب سے شدید حملے کا نشانہ بنایا گیا بوکھلائے ہوئے شہسوار جب اپنی قطاریں اور سمتیں تبدیل کر رہے تھے تو سکندر نے پوری قوت کے ساتھ ان کی سامنے والی سمت سے حملہ کر دیا کوئنوس پچھلی طرف سے ہندوستانی فوج کو مسلسل مشکل میں ڈالنے میں مصروف تھا صورتحال میں پورس کے سپاہی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے گھڑ سوار فوجی بھاگ کر اپنے توپخانے کی آڑ لینے پر مجبور ہو گئے انہوں نے دو ہاتھیوں کے درمیانی خلاء میں پناہ لے لی وہ اب پیادہ فوج کی کارروائی کے منتظر تھے اور وقتی طور پر میدان

جنگ سے باہر ہو گئے۔

یونانی شہسواروں کو غضبناک حالت میں حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر پورس نے اپنی فوج کے اہم ہتھیار ہاتھیوں کی پیش قدمی کا حکم دیا۔ دیوہیکل ہاتھی چیختے چنگھاڑتے آگے بڑھے اور حملہ آور گھوڑوں کو دہشت زدہ کر دیا اس طرح یونانی گھڑ سواروں کے تابڑ توڑ حملوں میں کچھ کمی آ گئی وحشی جانوروں کی پیش قدمی کے ساتھ ہی پورس کا توپخانہ دشمن پر حملے کے لئے آگے بڑھا اس دوران گھڑ سواروں کو پھر سے حریف کے خلاف کارروائی کا موقع مل گیا گھوڑوں کی طرف سے لڑائی میں ہچکچاہٹ کے بعد یونانی دستے فالینکس نے بڑے پیمانے پر جنگ میں کود پڑنے کا عزم کر لیا مقدونوی شہسواروں نے پھر ایک بار پورس کے گھڑ سواروں کو ہاتھیوں کے پیچھے پناہ لینے پر مجبور کر دیا تاہم ہاتھی ایسی بلائیں تھیں جن کا توڑ شاید یونانیوں کے پاس نہیں تھا وحشی جنگجو بری طرح مخالف فوجوں میں گھستے چلے جاتے انہیں ہلاک کرنے کے علاوہ سارا نظم تہس نہس کر دیتے یونانی فوج اس صورتحال میں زبردست خوف و دہشت کا شکار نظر آ رہی تھی توپخانہ اس بے ترتیبی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن فوج پر آتشیں گولے اور تیر پھینک رہا تھا۔ آرین اس موقع پر لکھتا ہے "یونانیوں کے لئے اس نوعیت کی جنگی حکمت عملی نئی تھی کیوں کہ دیوہیکل ہاتھیوں نے یونانی توپخانے کو ہلا کر رکھ دیا تھا وہ جس طرف مڑتے فوج کو زیر کر کے رکھ دیتے"۔ کیورٹیس نے اس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"ان جانوروں نے یونانی فوج میں بے پناہ دہشت پھیلا دی ان کی دل دہلا دینے والی چنگھاڑوں سے نہ صرف گھوڑے بدک کر بھاگ اٹھتے بلکہ فوجی خود خوفزدہ ہو کر صفوں کا ضبط توڑنے پر مجبور ہو جاتے وہ فوجی جو چند لمحات قبل فتح مندی کے نعرے لگانے کے لئے پر تول رہے تھے کو اب چھپنے کی جگہ تلاش کرنا پڑ رہی تھی سکندر نے بات بگڑتے دیکھ کر ہلکے ہتھیاروں سے لیس اگریانی اور تھراشین دستوں کو ہاتھیوں کے مقابلے میں اترنے کا حکم دیا۔

یہ فوج اچانک دست بدست لڑائی میں نہایت مہارت رکھتی تھی۔ انہوں نے ہاتھیوں اور مہاوتوں پر آتشیں میزائلوں کی بارش کر دی۔ فالینکس نے نتائج بدلتے دیکھ کر دوبارہ پیشقدمی شروع کر دی۔ کچھ حملہ آوروں نے جرات مندی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی اور ہاتھیوں کو زخمی کر دیا۔ زخم خوردہ ہاتھیوں نے حملہ آور

یونانی فوجیوں کو غضبناک ہو کر پاؤں تلے روند ڈالا۔ کئی سپاہیوں کا کچومر نکلنے کے بعد جرنیلوں نے انتہائی احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا۔ زیادہ مضحکہ خیز صورتحال اس وقت پیدا ہوئی جب بعض مشتعل ہاتھیوں نے یونانی فوجیوں کو سونڈ میں لے کر اپنے اوپر بیٹھے مہاوت کے پاس پھینک دیا اس طرح جنگ کا نقشہ مشکوک حیثیت اختیار کر گیا یونانی بعض دفعہ حملہ کرتے اگلے لمحے بھاگ کھڑے ہوتے اس کشمکش میں دن کا بڑا حصہ گزر گیا۔"

ڈائیوڈورس حملے کے بارے میں یوں لکھتا ہے "ہاتھیوں نے اپنے قوی جثے کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی حملہ آور سپاہیوں کو پیروں تلے مسل دیا۔ کچھ فوجیوں کو سونڈ میں لپیٹ کر پہلے پوری طرح اوپر اٹھایا پھر زور سے زمین پر پٹخ دیا گیا تھا ہاتھیوں نے متعدد دوسری سپاہیوں کے ہتھیاروں کو بھی توڑ موڑ ڈالا، یوں ہاتھیوں نے حریف فوج کو خوفناک صورتحال میں مبتلا کر دیا اس ضمن میں سامنے والے نوکیلے دانتوں کا بھی دہشت انگیز استعمال کیا گیا۔

یہی وہ حالات تھے جن کی بناء پر بعد کے مورخوں نے سکندر سے دیومالائی "فولادی گھوڑے" کی ایجاد منسوب کی جو اس نے ہاتھیوں کا توڑ کرنے کیلئے استعمال کیے۔

"انہوں نے گھوڑوں پر آتشگیر مادے کو آگ لگائی، سکندر کے سپاہی مایوس تھے، آتش گیر مادہ جل اٹھا سکندر کے جانبازوں کی پیش قدمی جاری رہی کیونکہ اس کے پاس فولادی گھوڑے تھے۔"

قتل عام کے بعد یونانیوں نے وحشی ہاتھیوں سے نمٹنے کیلئے مختلف طریقے استعمال کئے انہوں نے بھاری کلہاڑوں سے ہاتھیوں کے پیر کاٹ ڈالے سونڈوں پر خم دار تلوار کے وار کیے گئے۔

ڈائیوڈورس بیان کرتا ہے "یونانیوں نے ہلکے نیزوں سے جانوروں کو ایسے کاری زخم لگائے کہ وہ بلبلا اٹھے حتیٰ کہ مہاوتوں کے لئے انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا اس طرح حملہ کرنے کی رفتار متاثر ہوئی۔ زخم خوردہ وحشی ہاتھی پلٹے اور اپنے سپاہیوں کو ہی کچل کر رکھ دیا۔"

ہاتھیوں پر حملوں کے علاوہ یونانیوں نے اپنے باریک لمبے نیزوں سے کئی ہندوستانی فوجی ہلاک کر دیے۔ اس تمام صورتحال سے پورس کے جرنیلوں میں بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ حالات بگڑتے دیکھ کر بھی

پورس نے جنگ کا پلہ اور توازن خراب نہ ہونے دیا۔ مثالی حاضر دماغی اور تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے چالیس ہاتھیوں کا دستہ اپنی کمان میں لیا اور نئے حوصلے سے دشمن پر زبردست لشکر کشی شروع کر دی۔ ڈائیوڈورس یوں تفصیل لکھتا ہے۔

"صورتحال نہایت گھمبیر تھی لیکن پورس جو اپنی فوج کے عظیم الشان ہاتھی پر سوار تھا نے چالیس دیگر ہاتھیوں کی کمان سنبھالی اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے کئی یونانی فوجیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کی طاقت اپنے تمام فوجیوں سے بڑھ کر تھی اس کا قد لمبا اور زرہ بند چھاتی عام ہندوستانی فوجیوں سے تقریباً دو گنی تھی ڈیل ڈول غیر معمولی تھا۔ وہ جو نیزہ پھینکتا وہ نہایت شدت سے یونانیوں کو چیرتا چلا جاتا۔ دہشت زدہ مقدونوی سپاہی اپنے حریف بادشاہ کو حیران کن انداز میں دیکھ رہے تھے۔"

پورس کا ذاتی ہاتھی دیومالائی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ پلوٹارک بیان کرتا ہے۔

"ہاتھی کو اپنے مالک (پورس) سے انتہائی انس تھا وہ اس کی طرف بڑھنے والے حملہ آوروں کو روکتا اور پسپا ہونے پر مجبور کر دیتا۔ پے در پے زخموں سے چور ہاتھی جب اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا تو اس نے بڑے سکون سے پورس کو نیچے اتارا اور پھر سونڈ کی مدد سے اپنے جسم میں پیوست تیر نکالے"

پورس بدستور بری طرح لڑائی میں مصروف تھا اور اپنے تیروں سے دشمن فوج میں تباہی پھیلا رہا تھا۔ حریف فوج نے پوری توجہ اس پر مرکوز کر دی اور اسے گھیرنے کے منصوبے کا آغاز کیا۔ تیر اندازوں اور ہلکے ہتھیاروں سے لیس سپاہیوں نے اسے تیروں پر رکھ لیا۔ تاہم وہ نہایت دلیری سے لڑائی میں مصروف رہا اس دوران اس کے جسم پر کئی زخم لگے جس کی تصدیق کیورٹیس کرتا ہے جبکہ آرین کا کہنا ہے کہ اس کے دائیں کندھے پر گہرا گھاؤ آیا کیونکہ یہ اس کے جسم پر واحد جگہ تھی جہاں پر زرہ نہیں تھی جب وہ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گیا تو اس کے مہاوت نے اسے آرام سے ہاتھی کی پشت سے نیچے اتار دیا سکندر نے بھی ایسا کیا۔ اس کا گھوڑا زخم کھا کر نیچے گر گیا جس کے بعد دونوں بادشاہ زمین پر لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ حریف فوجوں میں مسلسل اتار چڑھاؤ نظر آ رہا تھا۔ علی الصبح شروع ہونے والی لڑائی آٹھ گھنٹے بعد بھی جاری تھی۔

آخری مرحلے کو آرین یوں بیان کرتا ہے۔ ”دریں اثناء سکندر کے تمام شہسوار دستے ایک بٹالین میں جمع ہو گئے یہ اجتماع کسی حکم کے نتیجے میں نہیں بلکہ لڑائی میں ہندوستانی فوج کے جواب کی وجہ ہوا۔ ہندوستانی فوج کو تقسیم کرنے کے لئے انہیں نہایت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہاتھیوں کو اب تنگ خلاء میں دھکیل دیا گیا۔ ان ہاتھیوں نے اپنے دوستوں کو دشمنوں سے کم نقصان نہیں پہنچایا انہوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو پیروں تلے مسل دیا اس طرح پورس کے شہسوار دستے کا بڑی تعداد میں جانی نقصان ہوا کیونکہ وہ ہاتھیوں کے تنگ نرغے میں گھر گیا تھا کئی ہاتھی سواروں کو تیروں سے ہلاک کر دیا گیا۔ متعدد ہاتھی بھی لہولہان ہو گئے۔ تھکاوٹ اور مہاوتوں کی عدم موجودگی سے ہاتھی بے قابو ہو کر ادھر ادھر جھومتے پھر رہے تھے انہیں دشمن دوست کی کوئی تمیز نہ رہی تھی۔ وہ سامنے آنے والے ہر شخص کو پیچھے دھکیلتے، روند ڈالتے یا سونڈ میں جکڑ کر ٹھکانے لگا دیتے۔ دوسری طرف یونانی فوج جو وسیع میدان میں تھی۔ حملہ آور ہاتھیوں کو گزرنے کے لئے منتشر ہو جاتی۔ جب وہ پسپا ہوتے تو ان کی پشت پر تیز دھار ہتھیاروں سے کاری ضربیں لگائی جاتیں اس طرح ہاتھیوں کے عین درمیان میں آنے والے پورس کی فوج زیادہ ان کی غضبناکی کا شکار ہوئی۔ جب ہاتھی تھک ہار گئے اور ان کے حملوں میں شدت باقی نہ رہی تو وہ پانی کی بڑی لہروں کو دھکیلتے بحری جہاز کی طرح جھومتے واپس ہو گئے۔ دشمن کی جانب پسپا ہوتے ہوئے ان میں بمشکل کسی کو روند ڈالنے کی سکت باقی رہ گئی۔ تب سکندر نے اپنے تمام گھڑ سواروں کو اکٹھا کیا اور توپخانے کو اشارہ کیا۔ اپنے عہدوں کی تختیاں سامنے آویزاں کئے انہوں نے اپنی ڈھالیں باہم منسلک کر لی تھیں۔ ہندوستانی شہسوار کئی ٹکڑوں میں تقسیم تھے۔ یہی حالت توپخانے کی ہو گئی کیوں کہ مقدونوی فوج کئی اطراف سے اس پر دباؤ بڑھا رہی تھی۔ پورس کی فوج کو جس طرف سکندر کے سپاہیوں میں کہیں خلاء نظر آتا وہ وہاں حملے کی کوشش کرتی۔ پورس کی فوج کی رہی سہی مزاحمت کو اس وقت شدید زک پہنچی جب دریا کی دوسری طرف سے کمانڈر کراتروس نے جہلم عبور کر کے لڑائی میں شمولیت اختیار کی۔ کراتروس اور وہاں موجود دیگر افسروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سکندر یقینی فتح کے قریب ہے اور اس کی مدد کے لئے پہنچنے کا یہ مناسب ترین وقت ہے۔ دریائے ہائیڈاسپس پار کرنے والے فوجی تازہ دم تھے اور انہوں نے دشمن فوج کے قتل عام میں کوئی کمی نہ رہنے دی۔“

سکندر اور پورس کے جانی نقصان کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ آرین سکندر کا زیادہ نقصان ظاہر کرتا ہے۔ تارن بھی اس صورتحال کو زیادہ واضح انداز میں بیان کرتا ہے۔ حبشی عہد نامے میں جو تفصیل ہے

اسے مغربی مورخ ''بیج'' نے یوں واضح کیا ہے۔

''سکندر کے اکثر گھوڑے تہ تیغ کر دیے گئے۔ یہ اتنا بڑا نقصان تھا کہ یونانی فوج روتے اور کتوں کی طرح بین کرتے ان کی خواہش تھی کہ وہ ہتھیار زمین پر پھینک دیں اور سکندر کا ساتھ چھوڑ کر دشمن فوج سے جا ملیں۔ سکندر نے یہ حال دیکھا تو اس نے ان کے درمیان جا کر ان کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی وہ خود لڑائی سے تنگ تھا اور اسے روکنے کا خواہشمند تھا۔''

جوزف بن گوریان نے اپنی کتاب ''ہسٹری آف دی جیوز'' میں اس منظر کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''جنگ نے اتنی طوالت اختیار کر لی کہ سکندر کی فوج کی بڑی تعداد تباہ و برباد ہو گئی۔ باقی ماندہ فوجیوں نے اکٹھے ہو کر سکندر سے بغاوت اور پورس سے اظہار یکجہتی کا ارادہ کر لیا''۔

یقیناً! دونوں اطراف کا اتنا نقصان ہو رہا تھا کہ یہ تمیز کرنا مشکل تھا کہ کون جیتا ہے اور شکست کس کا مقدر بنی۔

9

جنگ کا اختتام

9

جنگ کا اختتام

9

جنگ کا اختتام

جب پورس کو دائیں کندھے سمیت جسم کے بعض دیگر حصوں پر شدید زخم آئے تو اس کے مہاوت نے ہاتھی کو میدان جنگ سے باہر نکال لیا، کیا وہ لڑائی سے فرار ہو گیا تھا؟

آرین لکھتا ہے "پورس عظیم ایرانی شہنشاہ دارا کی طرح میدان جنگ سے بھاگا نہیں بلکہ وہ اس وقت تک جنگ میں مصروف رہا جب تک ہندوستانی سپاہی متحد ہو کر لڑتے رہے لیکن کاری ضربوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔"

یہ تبصرہ ظاہر کرتا ہے کہ پورس میدان جنگ سے فرار نہیں ہوا اس کی غیر موجودگی میں بھی لڑائی جاری رہی اور اس کی شدت اسی طرح برقرار تھی۔ آرین کے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ پورس قطعی طور پر مزاحمت ترک کرنے اور سکندر سے شرائط طے کرنے کے لئے تیار نہیں تھا اس دوران اس کے مہاوت نے ہاتھی کا رخ باہر کی جانب موڑ لیا۔ یہ تفصیل اس طرح سے بیان کی جا سکتی ہے۔

"سکندر نے مان لیا تھا کہ پورس ایک عظیم جنگجو اور جنگ میں زخمی ہو گیا ہے وہ اس کی زندگی بچانے کی فکر میں تھا اس مقصد کے لئے اس نے پہلے ایک ہندوستانی ٹیکسلیس کو ایلچی بنا کر بھیجا گھڑ سوار ٹیکسلیس ہاتھی پر بیٹھے پورس کے قریب جا پہنچا وہ خود کو محفوظ سمجھ رہا تھا تاہم اس کے لئے ہاتھی کو روکنا اور سکندر کا پیغام

پہنچانا ممکن نہیں تھا دوسری طرف پورس نے دیکھا کہ اس کے قریب پہنچنے والا اس کا پرانا دشمن ٹیکسلیس تھا وہ اس کی طرف مڑا اور لمبے نیزے سے حملے کی تیاری کی عین ممکن تھا وہ اسے ٹھکانے لگا دیتا کہ ٹیکسلیس نے اس کا ارادہ بھانپ لیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوا پورس کی پہنچ سے دور محفوظ مقام کی طرف چلا گیا اس اقدام کے باوجود سکندر کے دل میں راجا پورس کے خلاف عداوت کا جذبہ بیدار نہ ہوا وہ ایک ایلچی کے بعد دوسرا نامہ بر بھیجتا چلا گیا آخر میں ایک اور ہندوستانی میروس کی باری آئی سکندر کو پتہ چلا تھا کہ میروس اور پورس آپس میں دوست ہیں۔

جس وقت پورس نے سکندر کا ارسال کردہ پیغام اپنے دوست کی زبانی سنا وہ پیاس سے بے حال تھا اس نے اپنا ہاتھی روکا اور نیچے اتر آیا پانی کے چند گھونٹ بھرنے کے بعد اس کی جان میں جان آئی اس نے میروس سے کہا کہ وہ اسے کسی تاخیر کے بغیر سکندر سے ملانے کا بندوبست کرے جس کے بعد پورس کی یونانی جرنیل سے ملاقات کرائی گئی سکندر کو ہندوستانی فرمانروا کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اپنی فوج کے گھیرے سے نکلتا ہوا سامنے والی صف میں آ گیا اس کے ساتھ اس کے قریبی کمانداربھی تھے جب اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچتے ہوئے پورس کی مردانہ وجاہت اور پرکشش جسم کی تعریف کی جو چھ فٹ کے لگ بھگ تھا سکندر کو یہ دیکھ کر حیرانگی ہوئی کہ پورس ان حالات میں بھی پژمردہ اور نڈھال نظر آنے کے بجائے اس طرح آگے بڑھا جیسے ایک بہادر انسان دوسرے بہادر سے ملاقات کرتا ہے بلاشبہ اس نے اپنے ملک کے دفاع کے لئے مثالی جدوجہد اور مزاحمت کی تھی سکندر نے گفتگو میں پہل کرتے ہوئے پورس سے درخواست کی کہ وہ بتائے اس سے کیسا سلوک کیا جائے اس موقع پر پورس کا جواب تاریخی حیثیت اختیار کر گیا اس نے کہا" اے سکندر جیسے ایک بادشاہ کے شایان شان ہو" سکندر اس زبردست جواب سے بہت خوش ہوا اور جواب دیا" اے پورس میں تم سے وہی سلوک کرنا چاہتا ہوں جو تمھاری اپنی خواہش ہو اور تمہیں اطمینان فراہم کر سکے" پورس نے کہا کہ اس نے پہلے جو کچھ کہہ دیا ہے وہ اپنے اندر مکمل معنی رکھتا ہے لہذا زیادہ وضاحت ضروری نہیں سکندر نے اس حاضر دماغی پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پورس کو نہ صرف ہندوستان کی بادشاہی پر برقرار رکھا بلکہ اس کی اصل سلطنت سے کہیں زیادہ علاقے دینے کا اعلان کیا۔"

اس واقعے سے یہ نکات سامنے آتے ہیں۔

1۔ سکندر اپنے حریف پورس سے رابطے کا شدید خواہش مند تھا اس مقصد کے لئے اس نے پہلے ٹیکسلیس پھر دیگر ایلچی اور آخر میں یہ سوچ کر میروس کو پورس کے پاس بھیجا کہ شاید دوستی کا خیال کرتے ہوئے پورس اس سے ملاقات پر رضامند ہو جائے۔

2۔ پورس خود کسی طرح بھی سکندر سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔

3۔ بعد ازاں پرانی دوستی کا واسطہ دیتے ہوئے میروس پورس کو بمشکل راضی کر سکا تاہم اس سلسلے میں سکندر کے خوف یا دھمکی سے متاثر ہونے کا شائبہ تک نہ تھا۔

4۔ میروس کی کامیاب سفارت اور دلائل سے متفق ہو کر جب پورس اس کے ساتھ سکندر کے پاس پہنچا تو بھی وہ اندر سے ٹوٹا ہوا تھا نہ پژمردہ نظر آرہا تھا۔

5۔ ہندوستانی بادشاہ حملہ آور یونانی شہزادے کو برابری کی سطح پر ملا جیسے ایک بہادر شخص اپنی سرزمین کا دفاع کرتے ہوئے پوری غیرت مندی کے ساتھ دوسرے بہادر سے ملاقات کرتا ہے۔

6۔ سکندر نے پورس کے ساتھ اچھے تعلقات کی کوششوں کا آغاز کیا اور فراخدلانہ پیشکش کی کہ پورس خود بتائے اس سے کیسا سلوک کیا جائے؟ پورس نے سکندر کو سلام "سلیوٹ" کیا بخصوصی اعزاز دیا نہ ہی اطاعت کی کوئی یقین دہانی کرائی۔

7۔ ملاقات اور سکندر کے مخاطب ہونے پر پورس نے کوئی عاجزی نہیں دکھائی وہ جنگی قیدی کی طرح گھٹنوں کے بل حقیر انداز میں رینگتے ہوئے سکندر کی خدمت میں حاضر ہوا نہ مٹی میں ذلت آمیز انداز میں مفتوح فوجی کی طرح لیٹا ایک خود دار انسان کی طرح اس نے بادشاہی سلوک کا مطالبہ کیا اسے اپنی خودمختاری اور شاہی وقار ہر لحاظ سے عزیز تھا۔

8۔ سکندر نے نہ صرف اسے اس کی سلطنت پر حکومت کرنے کی اجازت دی بلکہ ایک

بہت بڑا علاقہ اس کو تحفے کے طور پر دے دیا۔

یہی بات آرین کی تحریروں سے ثابت ہوتی ہے کہ پورس سے ملاقات میں پہل سکندر نے کی اس کی بے چینی کا اظہار کیے بعد دیگرے مختلف ایلچی بھیجنے سے ہوتا ہے دوسری طرف پورس ایسے کسی رابطے سے گریزاں یہ سفارتیں مسترد کرتا چلا گیا آخر کار سکندر نے اس کے پرانے دوست کو بات چیت میں معاونت کے لئے استعمال کیا جس کی وجہ سے پورس کو اس کی بات ماننا پڑی لیکن اس نے اپنی عزت نفس اور وقار پر ملاقات کے دوران حرف نہ آنے دیا۔ یہی وہ بات تھی جس نے نہ صرف اس کی سلطنت کو برقرار رکھا بلکہ اس میں توسیع بھی ہو گئی۔

کیورٹیس جنگ کے اختتام کا منظر یوں بیان کرتا ہے۔ ''سکندر پورس کے تعاقب میں خود جانا چاہتا تھا لیکن زخموں سے چور گھوڑا اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا تاہم اس نے منہ کے بل گرنے کی بجائے اپنے سوار کو نہایت آرام سے زمین پر اتارا اس طرح گھوڑا تبدیل کرنے کا عمل تعاقب میں رکاوٹ ثابت ہوا اس دوران سکندر کا بھیجا گیا نامہ بر ٹیکسلیس کا بھائی پورس کے قریب پہنچا اور اُسے سمجھایا کہ وہ لڑائی کے معاملے میں انتہائی سطح تک نہ جائے بلکہ سکندر کی اطاعت قبول کرلے لہولہان اور نڈھال پورس نے اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے فیصلہ کن آواز میں کہا کہ ''میں ٹیکسلیس کے بھائی کو بخوبی جانتا ہوں جس نے اپنی سلطنت اور تاج بیچ دیا'' پھر اس نے ایک زہریلا تیر پوری طاقت سے ٹیکسلیس کی طرف پھینکا جو اس کی پشت سے گزرتا ہوا چھاتی سے نکل گیا اس سخت فیصلے کے بعد پورس مزید تیزی سے ہاتھی دوڑاتا چلا گیا لیکن ہاتھی خود اپنے مالک کی طرح زخمی اور تھکا ہوا تھا اس صورتحال میں پورس نے بچی کچھی فوج کی کمان کر کے تعاقب کرنے والے مقدونوی دستوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی سکندر کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ پورس کو رام کرنا آسان نہیں اس نے مزاحمت ترک کرنے والے ہندوستانی فوجیوں کے لئے معافی اور دیگر مراعات کا اعلان کر دیا اس دوران مقدونوی سپاہیوں نے پورس اور اس کے تو پچانے کو نیزوں کی انیوں کے ساتھ چاروں سمت سے گھیر لیا جب پورس کو معلوم ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر مزاحمت نہیں کر سکے گا تو اس نے اپنے شاہی ہاتھی سے نیچے اترنا شروع کر دیا ہے مہاوت نے دیکھا کہ بادشاہ ہاتھی سے نیچے اتر رہا ہے تو اس نے معمول کے مطابق اسے زمین پر گھٹنوں کے بل بٹھا دیا یہ دیکھ کر باقی ہاتھی

بھی نیچے بیٹھ گئے کیوں کہ انہیں تربیت دی گئی تھی کہ جیسے ہی شاہی ہاتھی زمین پر بیٹھے باقی ہاتھی احتراماً ایسا ہی کریں ان حالات میں پورس اور اس کے فوج مکمل طور پر یونانی سپاہیوں کے رحم و کرم پر آ گئے۔
سکندر کو گمان گزرا کہ پورس لڑائی میں مر گیا ہے اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ہندوستانی فرمانروا کی لاش کو پورے احترام سے دفنایا جائے ایک آدمی پورس کی جانب بڑھا تا کہ اس کے جسم سے زرہ اور دیگر آہنی ہتھیار اتارلے پورس کے ہاتھی نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے نہایت وفاداری کا ثبوت دیا اس نے نڈھال پورس کو سونڈ میں اٹھا کر دوبارہ اپنی پشت پر سوار کرا لیا اس عمل پر ہاتھی پر چاروں طرف سے تیزوں اور تیروں کی بارش کی گئی جس سے اس کی موت واقع ہو گئی اس کے بعد پورس کو ایک اور گاڑی میں بٹھایا گیا۔

سکندر اس کے قریب آ گیا اور نرمی سے آنکھیں کھولنے کو کہا وہ تمام دشمنی بھول کر رحم دلی کے گہرے جذبے کے ساتھ بولا ''کس بلا نے کس مصیبت نے کس پاگل پن نے تمہیں میرے مقابلے پر اترنے پر مجبور کیا؟ کس نے تمہیں میرے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش کی حالانکہ ٹیکسلیس نے بتا دیا تھا کہ میں اطاعت کرنے والوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں''

پورس نے جواب دیا ''اے سکندر تم نے ایک سوال پوچھا ہے میں اس کا جواب اسی آزادی سے دوں گا جس آزادی سے تم نے سوال دریافت کیا۔

اے سکندر میرا خیال تھا کہ دنیا میں کوئی مجھ سے زیادہ بہادر نہیں مجھے اپنی طاقت کا اندازہ ضرور تھا لیکن میں نے اسے آزمایا نہیں تھا جنگ نے مجھے سبق دیا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو ر تب میں تم سے نیچے ہونے کے بعد بھی میں خود کو انتہائی خوش قسمت سمجھتا ہوں''

سکندر نے دریافت کیا ''تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید رکھتے ہو''

پورس نے جواب دیا اس دن نے مجھے ایک سبق دیا ہے اس دن (لڑائی) میں تم نے دیکھا کہ خوشحالی کو کیسے ہولناکی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے''

یہ دلائل دینے کے بعد پورس نے سکندر کے دل میں بڑی جگہ حاصل کر لی سکندر اس کی جرأتمندی سے بہت متاثر ہوا جو تمام خوف اور وحشت میں بھی ختم نہیں کی جا سکی تھی اس نے پورس سے مزید رحم دلی برتتے

کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ زخمی بادشاہ کے زخموں کا انتہائی احتیاط سے علاج کیا جائے وہ اس سے اس طرح سلوک کر رہا تھا جیسے پورس اس کی وفاداری میں لڑتے ہوئے زخمی ہوا ہو۔ پورس کی حالت سنبھلی تو اس نے اسے اپنے گنے چنے دوستوں میں شامل کر لیا اور کچھ عرصے بعد پورس کو اس کی اصل سلطنت سے بھی بڑی سلطنت کا تحفہ پیش کیا۔

کیورٹیس اور آرین کے نکات میں کئی اہم تضاد پائے جاتے ہیں۔

1۔ کیورٹیس کے مطابق جب پورس میدان جنگ میں زخمی ہونے کے بعد باہر نکلا تو سکندر نے خود اس کا تعاقب کرنے کی ٹھان لی تاہم گھوڑا زخمی ہونے کے باعث وہ ایسا نہ کر سکا آرین نے ایسی کوئی تفصیل نہیں بیان کی۔

2۔ کیورٹیس کہتا ہے کہ پورس کے تعاقب سے پہلے سکندر نے ٹیکسلیس کے بھائی کو اس کے پاس بھیجا جس نے پورس کو اطاعت کے لئے کہا تاہم پورس نے غصے میں اس کی طرف نیزہ پھینکا اور اسے جسمانی نقصان پہنچایا۔ آرین اس نکتے پر خاموش ہے اور اس کے بجائے کہتا ہے کہ سکندر نے ٹیکسلیس کو خود پورس کے پاس پیغام دے کر بھیجا ل پورس نے اس پر تیر پھینکا لیکن وہ بچ کر بھاگ نکلا۔

3۔ کیورٹیس لکھتا ہے کہ ٹیکسلیس کے بھائی کی موت پر یونانی فوج پوری شدت سے ہندوستانی لشکر پر ٹوٹ پڑی اور سکندر نے حکم دیا کہ مزاحمت کرنے والے کسی سپاہی کو ہر گز نہ بخشا جائے اس صورتحال سے ہندوستانی سپاہ کو سخت نقصان پہنچا خود پورس بھی شدید زخمی ہو گیا یہاں تک کہ اس کی موت کی خبر پھیل گئی جس کے بعد مہاوت نے اس کے ہاتھی کو نیچے بٹھا دیا اور دیگر ہاتھیوں نے اس کی تقلید کی سکندر نے اپنے دشمن پورس کی لاش دفنانے کا حکم دیا لیکن یونانی سپاہی جیسے ہی اس کی زرہ اور ہتھیار اتارنے کو بڑھے وفادار ہاتھی نے ان پر حملہ کر دیا اور زخمی پورس کو سونڈ کے ساتھ پھر سے پیٹھ پر سوار کرا لیا مشتعل یونانیوں نے اس صورتحال پر زبردست تیر اندازی کر کے ہاتھی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پورس کو نیچے اتار کر ایک اور گاڑی پر سوار کر دیا گیا۔

آرین اس واقعے کو دوسری طرح بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے "کئی سفارتی مشنوں کی ناکامی کے بعد سکندر نے بالآخر پورس کے پاس اس کا دیرینہ دوست میروس بھیجا اور جب پورس دوستی کے واسطے سے مجبور ہو کر سکندر کے پاس پہنچا تو گفتگو کرنے میں مقدونوی جرنیل نے پہل کی۔"

4۔ کیورٹیس سکندر پورس ملاقات کی جو تفصیل بتاتا ہے وہ آرین سے قطعی مختلف ہے۔

ان تمام اختلافی نکات کے ساتھ دونوں مورخ بعض متفقہ تفصیلات بھی دیتے ہیں آرین اور کیورٹیس کا کہنا ہے کہ پورس کا ہاتھی پر میدان جنگ سے نکلنا لڑائی کا اختتام نہیں تھا بلکہ دونوں فوجیں بدستور متصادم رہیں دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ پورس آخری لمحے تک سکندر کے مقابلے میں مزاحمت کرتا رہا سکندر نے اس سے اچھا سلوک کرتے ہوئے اسے دوست بنالیا اور آخرکار کئی دیگر علاقے اس کی سلطنت میں شامل کر دیے۔

ممتاز مورخ ڈایوڈورس کا جو نکتہ نظر ہے وہ کئی پہلوؤں سے کیورٹیس سے مختلف اور اہم ہے وہ لکھتا ہے "پورس انتہائی دلیری اور جرات مندی سے لڑا لیکن زیادہ زخموں کے باعث خون بڑی مقدار میں بہنے سے وہ سخت نقاہت محسوس کرنے لگا جس کے بعد وہ کچھ آرام کے لئے ہاتھی پر چڑھ گیا اور افواہ پھیل گئی کہ بادشاہ مر گیا ہے اس صورتحال میں کئی ہندوستانی سپاہی میدان سے بھاگ نکلے جب کہ اکثر تہ تیغ کر دیے گئے اس عظیم الشان فتح پر سکندر نے کامیابی کے نقارے بجا کر اپنے فوجیوں کو اپنی جانب متوجہ کیا زخمی پورس کو بھی علاج کیلئے ہندوستانی فوج کے حوالے کر دیا گیا شفایاب ہونے کے بعد پورس کو اس کی سلطنت پر پھر سے حکومت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔"

اس تبصرے میں کہیں یہ تاثر نہیں ملتا کہ پورس ہاتھی پر میدان جنگ سے فرار ہو گیا یا اس کا سکندر، ٹیکسلس کے بھائی یا میروس نے تعاقب کیا اور اطاعت گزاری پر اسے راضی کرنے کی کوششیں کیں یہاں سکندر اور پورس کے مکالمے کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہاں یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ پورس کے مرنے کی خبر میدان جنگ میں تیزی سے پھیل گئی جس پر اس کے کئی فوجی بھاگ کھڑے ہوئے، کئی فوجی قتل کر دیے گئے پھر یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ پورس ابھی زندہ تھا اور اسے علاج کے لئے ہندوستانی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

پورس سکندر کے پاس کیسے گیا؟

اس سوال کا جواب نہیں دیا گیا تاہم باقاعدہ تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ لڑائی کے بعد 9 ہزار سپاہی قیدی بنا لئے گئے اور 80 ہاتھی پکڑے گئے یہ تاثر ملتا ہے کہ پورس کو بھی قیدی بنا لیا گیا لیکن پھر اسے اس کی اپنی فوج کے حوالے کر دیا گیا ڈایوڈورس اس کی سلطنت میں اضافے کی کوئی بات نہیں کرتا یوں بنیادی طور پر اس کا موقف آرین اور کیورٹیس سے کافی مختلف ہو جاتا ہے۔

ایک اور تاریخ دان پلوٹرک جنگ کے خاتمے کی بابت لکھتا ہے۔

"جب پورس کو قیدی بنا لیا گیا سکندر نے اس سے پوچھا تو تم سے کیسے سلوک کیا جائے؟ پورس نے جواب دیا "جیسے ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے کرتا ہے" سکندر نے مزید دریافت کیا تمھاری کوئی خواہش یا درخواست ہے؟ پورس نے کہا "سب کچھ" یہ لہجہ صاف ظاہر کرتا ہے وہ ایک بادشاہ کی زبان بول رہا تھا اس کے بعد سکندر نے نہ صرف پورس کو اس کی بادشاہت پر بحال کر دیا بلکہ اسے شاہی خطاب "ستراپ" (وائسرائے) بھی عطا کر دیا۔ علاوہ ازیں اس کی سلطنت میں بڑا علاقہ شامل کر دیا گیا اس تمام علاقے کے لوگوں کو پورس کا مطیع بنایا گیا"

پلوٹرک کچھ پہلوؤں پر ڈایوڈورس اور دیگر مورخوں سے ضمنی اتفاق کرتا ہے بعض نکات پر اس کا آرین سے اتفاق ہے ڈایوڈورس کی طرح وہ تسلیم کرتا ہے کہ پورس کو قیدی بنایا گیا اور آرین کی طرح اس کا اصرار ہے کہ پورس سے قیدی کے بجائے ایک بادشاہ کی طرح سلوک کیا گیا۔

ایک قیدی سے بادشاہ جیسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ بات پلوٹرک کے لئے زیادہ اہم نہیں اس کا یہ کہنا ہے کہ پورس کو یونانی جرنیل نے "ستراپ" مقرر کیا باقی تینوں مورخوں کے بیان میں یہ بات شامل نہیں جن کا صرف یہ موقف ہے کہ پورس کو اس کی سلطنت واپس کر دی گئی۔

اب ہم ایک اور راوی جسٹن کی بتائی گئی داستان کا ذکر کریں گے۔ وہ لکھتا ہے۔

''پورس دوسری بار زخموں سے نڈھال ہونے کے بعد قیدی بنالیا گیا وہ اپنی شکست سے اس قدر دلبرداشتہ تھا کہ جب اسے فاتح فوج کی جانب سے ایک مکان میں بند کیا گیا تو اس نے کھانے پینے کی خواہش کا اظہار کیا نہ علاج کی اجازت دی۔ شاید وہ زندگی کی بھی زیادہ خواہش نہیں رکھتا تھا سکندر نے اس کی بہادری کا احترام کرتے ہوئے اس کی جان بخشی کی اور اس کی بادشاہی بحال کر دی''

یہاں یہ تاثر ملتا ہے کہ قیدی بننے کے بعد راجا پورس نے ''ستیہ گرہ'' (بھوک ہڑتال) کر دی اور کسی قسم کی خوراک اور دوائی لینے سے انکار کر دیا بار بار اصرار کے بعد سکندر کے دل میں اس کی بہادری اور خودداری کے اعتراف کا جذبہ بیدار ہوا اور اس نے پورس کی جاں بخشی کرتے ہوئے اس کی خودمختاری بحال کر دی جہاں ہتھیار کامیابی حاصل نہ کر سکے وہاں بھوک ہڑتال نے جادوئی کام کر دکھایا اس طرح عدم تشدد اور عدم تعاون کی شاندار مثال قائم ہوئی۔

اس تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ پانچ مغربی مورخ جنہوں نے سکندر اور پورس کے درمیان جنگ کا واقعہ لکھا ہے جنگ کے خاتمے کے کسی بنیادی نکتے پر مکمل متفق نہیں ان کے بیان متضاد اور مختلف ہیں یہ سب قاری کے ذہن کو اس طرح الجھا کر رکھ دیتے ہیں کہ بعض پہلوؤں پر ان کی تنقید کا حلیہ بھی بگڑا ہوا لگتا ہے حتیٰ کہ وہ سکندر کے نرم رویے کو پورس کی بہادری کا اعتراف قرار دیتے ہیں لیکن ایسا کرتے وہ سکندر کی فطرت کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو اس کے ماضی کے رویے سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ سکندر ایک منتقم مزاج انسان تھا وہ بھول جاتے ہیں کہ سکندر نے یونانی شہزدریاسپا میں ایک مقدمے کے دوران بسوس کو کوڑے لگوائے۔ اس کے اعضاء کاٹے اور پھر پھانسی دے دی اس نے اپنی نرس کے بھائی اور گرانیکوس کی جنگ میں جان بچانے والے اپنے محسن کلی توس کو اس لئے نیزے سے چھلنی کر دیا کہ اس نے ایک بار اس کے باپ فلپ کی تعریف کی تھی سازش کی ایک مبہم سی افواہ پر اس نے اپنے معتمد جرنیل پرمنان اور اس کے بیٹے کو ہلاک کر دیا۔ ایک اور جرنیل کالسھنز جو اس کے استاد ارسطو کا سگا بھتیجا تھا کو اس لئے قید کرا دیا کہ اس نے مشرقی اطوار اختیار کرنے پر ایک بار اس پر طنز کیا تھا۔ اس نے مساگا سے لائے گئے قیدیوں کا جان بخشی کے وعدے کے باوجود قتل عام کیا۔ اس بارے میں پلوٹرک کا فقرہ

ہے کہ "یہ واقعہ اس کی عسکری زندگی پر بدنما لوتھڑا ہے"

زیریں پنجاب اور سندھ میں پیشقدمی کے دوران اس نے کئی معصوم مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرا دیا۔ سنگلا جیسے شکست یافتہ دشمنوں کے کئی شہر جن میں پرسی پولس مشہور تھا جلا کر راکھ کر دیا۔ ان مورخوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ مساگا کے محافظ، ملتان کے مالوے بھی اسی طرح مضبوط اور جفاکش ہیں جس طرح پورس کے سپاہی۔ لہٰذا اگر جسمانی ساخت اور حب الوطنی کے جذبات ہی سکندر کی آنکھ میں قدر روانی حاصل کرتے ہیں تو پھر پورس کی طرح ان لوگوں کو کوئی رعایت کیوں نہیں دی گئی اور انہیں سکندر نے اپنی دوستی کے قابل کیوں نہیں سمجھا؟

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں کوئی فاتح مفتوح قوم سے رحم دلی اختیار کرتا نہیں پایا گیا اور یہاں تو معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے یعنی سکندر نے نہ صرف پورس کو معاف کر دیا، اس کی سلطنت بحال کی بلکہ اپنے فتح کئے کئی دیگر علاقے اسے "تحفتاً" دے دیے۔ یہ حقائق قابل قبول نہیں بلکہ سرے سے من گھڑت دکھائی دیتے ہیں۔

ایشیائی اور افریقی روایتیں بھی جنگ جہلم کے آخری حصے پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں حبشی (ایتھوپیائی) عہد نامے "سیوڈو کالستھنز" میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح سکندر کے گھوڑوں کو تہ تیغ کرنے سے یونانی فوج میں مایوسی اور لاچاری پھیل گئی یہاں تک کہ وہ رونے اور کتوں کی طرح آوازیں نکالنے لگے۔ ان کی بے بسی اس نکتے تک پہنچ گئی کہ وہ سکندر کو خیرباد کہہ کر دشمن راجا پورس کی فوج میں شمولیت کا سوچنے لگے

"سکندر نے جب پانسہ پلٹتے دیکھا تو اپنے سپاہیوں کے وسط میں آن کھڑا ہوا وہ خود بھی ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور چاہتا تھا کہ لڑائی کسی صورت میں ختم ہو جائے حتیٰ کہ اس نے فوجیوں کو جنگ روکنے کا حکم جاری کر دیا اور تیز آواز میں چلاتے ہوئے کہا "اے پورس! شہنشاہ ہند، سنو مجھے تمہاری بے پناہ قوت اور طاقت کا بخوبی اندازہ ہو چکا ہے علاوہ ازیں تمہاری حکمت عملی نے مجھے سخت متاثر کیا ہے میرا دل شکست خوردہ ہے مجھے اپنی تھکن کا احساس ہے معلوم نہیں ہم کہاں آکر خوار ہو رہے ہیں اب اگرچہ میں خود اپنی زندگی ختم کرنے کی کیفیت سے دوچار ہوں تاہم میں اپنے سپاہیوں کو اس پر مجبور نہیں کرنا چاہتا کیونکہ

یونانی جوانوں کو ایسے حالات کا شکار کرنے کا ذمہ دار میں ہوں اور ایک بادشاہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ وفادار فوج کی جان کی قیمت پر اپنی زندگی بچائے۔ آؤ ہم دونوں فوجوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دے کر خود مقابلہ کر لیں۔"

جوزف بن گوریان نے اپنی تصنیف "تاریخ یہود" میں ہمیں یہ معلومات فراہم کی ہیں۔ اور جب سکندر کو اپنی فوج کی بددلی کا علم ہوا تو اس نے شاہ ہند کو ایک پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا "سنو پورس ہم دونوں کے درمیان لڑائی طول اختیار کر گئی ہے اور ہمارے اکثر سپاہی مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں آؤ فوجوں کو پیچھے ہٹا کر اپنی تلوار سے دونوں جنگ کا فیصلہ کر لیں"

فردوسی نے "شاہ نامہ" میں لکھا ہے کہ جب لڑائی کی شدت انتہائی نکتے تک پہنچ گئی تو سکندر نے پورس کو یوں مخاطب کیا۔

اے عظیم انسان!
ہم دونوں کی فوجیں لڑائی سے تھک ہار گئی ہیں
جنگلی درندے (ہاتھی) انسانی کھوپڑیاں چیں رہے ہیں
گھوڑوں کے پاؤں سپاہیوں کی ہڈیاں توڑ رہے ہیں
ہم دونوں ہیرو، دلیر اور جوان
دونوں نر ہیں، ہم پلہ اور زبردست
تو پھر سپاہیوں کا قتل عام کیوں؟

یا
پھر لڑائی کے بعد آگے زخمی زندگی کس کام کی۔

یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ سکندر کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور اسے لڑائی سے ہاتھ کھینچنے کی راہ

---

* "History of the Jews" Joseph Ben Gorion

اختیار کرنا پڑی۔ ممتاز مورخ تارن نے بھی ان قدیم روایتوں کو درست قرار دیا ہے اس کا کہنا ہے کہ یونانی مورخوں نے سکندر کے نقصانات چھپانے کی کوشش کی ہے۔ ان قدیم عہد ناموں کی صحت اس وقت الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے جب ان میں سکندر اور پورس کے درمیان دست بدست لڑائی اور ہندوستانی راجا کی اس میں موت کا ذکر کیا جاتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ جنگ میں راجا پورس کے دو ہم نام بیٹے شریک تھے ممکن ہے کہ ایک بیٹے کی موت نے دوسرے بڑے بیٹے کو سکندر سے لڑنے کی ترغیب دی ہو اور وہ مقابلے میں مارا گیا ہو اگر ایسا ہے تو پھر قبل ازیں بیان کی گئیں تفصیلات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں سکندر کے جنگ ترک کرنے اور پورس سے مذاکرات کی تفصیل آرین کی تحقیق سے ملتی ہے لہٰذا انہیں بالکل رد نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں فوجیں جہلم کے میدان میں آٹھ گھنٹے تک برسرپیکار رہیں اور لڑائی میں تیزی کا عنصر نمایاں تھا۔ اور پلوٹرک بیان کرتا ہے کہ "لڑائی نے مقدونوی فوج کے حوصلے پست کر دیے۔" سکندر صلح کا خواہش مند ہوا اور اس نے امن مذاکرات کے لئے کئی ایلچی مدمقابل ہندوستانی بادشاہ کی خدمت میں بھیجے۔ پورس قطعی طور پر حملہ آور یونانیوں سے بات چیت پر آمادہ نہیں تھا اور سکندر کو "ہاں" کہنے سے گریزاں دکھائی پڑتا ہے اس کے باوجود کہ سکندر کی شہسوار فوج طاقتور تھی، اس کے باوجود کہ بارش اور پانی نے میدان جنگ کو دلدل بنا دیا تھا جس سے اس کی بھاری بھرکم بگھیوں کی نقل و حرکت تقریباً ناممکن ہو گئی تھی، اس کے باوجود کہ کیچڑ میں اس کے سپاہیوں کو مخصوص لمبی کمانیں زمین پر رکھ کر مہلک تیر پھینکنے میں دشواری پیش آ رہی تھی اس کی ذہنی کشمکش اس وقت ختم ہو گئی جب اس کے دیرینہ دوست میروس کو ثالثی کے لئے میدان میں اتارا گیا۔ پورس کے پاس اب کوئی چارہ نہ تھا جس کے بعد اس کے رویے میں لچک آ گئی اور وہ سکندر کے پاس جانے کی بات مان گیا۔

میروس اور پورس میں کیا گفتگو ہوئی؟

مورخ یہ بیان کرنے سے قاصر ہیں لیکن تجزیہ کیا جائے تو یہ خیال ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ میروس نے پورس کو دلائل دیے ہوں گے کہ وہ اپنی طاقت یہاں ضائع کرنے کی بجائے ان سرکش پنجابی قبائل اور

خاندانوں کے خلاف استعمال کرے جو تا حال آمادہ بہ بغاوت تھے اس طرح اس کی حکومت پنجاب اور دریائے بیاس کے شمال مغربی علاقے تک مستحکم ہو سکتی ہے۔

ان حالات میں ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جنگ جہلم کا اختتام پورس اور سکندر کے درمیان معاہدہ امن پر ہوا جس کے نکات میں پورس کے شاہی اعزاز اور وقار کا تحفظ، سکندر کے مفتوحہ علاقوں کی پورس حکومت میں شمولیت، دونوں فرمانرواؤں کی پنجاب کی خود مختار قبائل پر لشکر کشی اور مگدھ کی طرف مشترکہ پیش قدمی پر اتفاق شامل ہیں یہ معاہدہ اس وقت طے پایا جب جنگ ابھی جاری تھی اور دونوں اطراف کا سخت نقصان ہوا ان حقائق سے یونانی مؤرخوں کی جانبداری کا پردہ بھی چاک ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ سکندر نے پورس کی بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے رحمدلی اور نرمی اختیار کی تاہم اوپر بیان کیے گئے آرین کے تجزیے سے اس بات میں کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ بات چیت میں پہل سکندر کی جانب سے ہوئی حتیٰ کہ پورس کے احتراز اور جارحانہ رویے نے بھی سکندر کو امن مذاکرات کی کوششوں پر مجبور کر دیا یہ سب کچھ محض "رحمدلی" کے جذبے کے تحت نہیں ہو سکتا یقیناً سکندر کو خدشہ تھا اگر اس نے صلح کا ہاتھ نہ بڑھایا تو ہندوستانی فوج کے ہاتھوں اسے مزید نقصان سہنا پڑے گا جس پر اس کی فوج تیار نہ تھی اور سپاہیوں میں مسلسل پست حوصلگی پھیل رہی تھی۔ عین اس وقت اگرچہ راجا پورس کا مہاوت ہاتھی کو میدان جنگ سے باہر لے جارہا تھا تاہم اس فیصلے کا لڑائی کی شدت پر کوئی اثر نہیں پڑا اور سپاہی اپنی جارحانہ حکمت عملی بدستور جاری رکھے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے بادشاہ کی جانب سے کوئی حکم نہیں ملا تھا یہی وہ صورتحال تھی جس کی بناء پر پورس امن کی پیشکش مسترد کرتا رہا اسے اپنا پلہ بھاری نظر آرہا تھا اور اس کے حوصلے جوان تھے لیکن اس دوران اس کا دوست منظر نامے پر ظاہر ہوتا ہے اور اسے بعض نامعلوم دلائل سے سکندر کی جانب صلح کا ہاتھ بڑھانے پر رضامند کر لیتا ہے اس طرح دونوں بہادر جرنیل تباہ کن جنگ کا راستہ ترک کر کے امن کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تا کہ ہولناک تباہی کی مزید شدت سے بچا جا سکے۔

سکندر اس لحاظ سے فتح یاب تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے پورس کو اپنے نکتہ نظر سے اتفاق کرنے پر مجبور کر

لیا اس طرح دریائے جہلم سے نامراد واپسی کے بجائے اس نے دریائے بیاس کے اطراف سے زیریں سندھ تک پیش قدمی اور وہیں سے اپنے شہر بابل کو واپسی کی راہ ہموار کرلی۔ پورس اس لحاظ سے فاتح ہے کہ اس نے اطاعت گزاری کی جگہ برابری کی بنیاد پر معاہدہ کیا اور نہ صرف اپنی سلطنت پورے شاہی وقار کے ساتھ برقرار رکھی بلکہ اس میں کہیں توسیع کرلی سکندر نے بھی شاطر جرنیل کی طرح محض پورس کی سلطنت تک خود کو محدود کرنے کی بجائے اس کی ہمنوائی میں پنجاب کے دیگر علاقوں کو زیر نگین کرلیا دونوں نے اپنی جگہ کامیاب حکمت عملی اختیار کی حتمی نتیجہ یہ نکلا کہ یونانی تاریخ تضادات کے باوجود مقبول عام رہی جبکہ ہندوستانی حقائق اختلافات اور دھندلاہٹ کی نذر ہو گئے۔

10

پنجاب کی فتح

10

پنجاب کی فتح

جب دو مختلف قومیتوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس میں پہلا قتل سچ کا ہوتا ہے۔

پہلے ابواب میں ہم نے جو تاریخ بیان کی ہے وہ مختلف النوع تصورات، خیالات سے رنگین ہے۔ ہر تحریر اپنے نکتہ ہائے نظر کو درست قرار دینے کی کوشش سے عبارت ہے تاہم جھوٹ میں ہمیشہ نقائص ہوتے ہیں جو ذرا سا غور کرنے پر نمایاں ہو جاتے ہیں اور پتہ چل جاتا ہے کہ بعض باتیں غلط طور پر اصل حقائق سے جوڑنے کی بچگانہ کوشش کی گئی ہے۔

یہی حال جنگ جہلم سے متعلق یونانی تحریروں اور موقف کا ہے۔ ان تصانیف میں تضاد، ٹکراؤ اور بے قاعدگی اس چیز کی غماز ہے کہ وہ بعض زمینی حقائق کو مسخ کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں بغور تجزیہ کرنے پر ادھر ادھر سے سچائی کی جھلکیاں نظر آ جاتی ہیں۔ اور واضح ہو جاتا ہے کہ حقائق ایسے ہرگز نہیں جیسے ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صاف ظاہر ہے سکندر اور پورس کے درمیان خونریز لڑائی بے نتیجہ (ڈرا) رہی۔ دشمن رہنے کے بجائے وہ دوست بن گئے اور بقیہ السیف پنجاب کو زیر کرنے کی مشترکہ حکمت عملی طے کر لی گئی۔

پورس کی ریاست میں تیس روز قیام کے بعد سکندر نے گلاؤ کنکوئی قبائل (یقیناً یہ گلاؤ گکیانہ کے گلاؤ سی

لوگ تھے) کے خلاف لشکر کشی کی اور ان کے 73 شہروں پر قبضہ کر لیا۔ سب سے چھوٹے شہر کی آبادی پانچ ہزار مکینوں سے کم نہ تھی جبکہ اکثر شہر دس ہزار سے زیادہ آبادی پر مشتمل تھے یہ تمام علاقے فتح کرنے کے بعد سکندر نے اپنے دوست راجا پورس کی عملداری میں دے دیے اس موقع پر امبھیشر لیس نے ان کے عزائم بھانپ لئے اس نے چاپلوسی اور اطاعت کی حکمت اختیار کرتے ہوئے اپنے بھائی کی کمان میں چالیس ہاتھی سکندر کی خدمت میں بھجوائے۔

تاہم سکندر نے اسے حکم دیا کہ وہ ذاتی طور پر پیش ہو اور حاضری میں کوئی تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔ سکندر نے اسے خبردار کیا کہ اگر وہ حاضر نہ ہوا تو وہ اپنی فوج کے ساتھ خود آ جائے گا۔ تب یہ ملاقات امبھیشر لیس کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں ثابت ہوگی۔

کیورٹیس لکھتا ہے کہ ملاقات کے لئے راجا امبھیشر لیس نے بھی اپنی سلطنت کی بحالی، عزت و وقار اور مقام کی شرط رکھنے کی کوشش کی (پورس کی طرح) لیکن سکندر نے واضح کیا کہ اگر امبھیشر لیس نے ٹال مٹول کی پالیسی برقرار رکھی تو وہ خود پہنچ جائے گا۔ یہاں ڈایوڈورس اضافہ کرتا ہے "سکندر نے امبھیشر لیس کو دہشت زدہ کر دیا اور حکم دیا کہ وہ ایسا ہی کرے جیسے وہ کہتا ہے"۔

اسی دوران چناب اور راوی کے دوآبے میں حکمرانی کرنے والے پورس کے ہمنام بھتیجے پورس جونیئر کے ایلچی سکندر کے پاس آئے لیکن اس کا چچا پہلے ہی سکندر کے پاس موجود تھا ایسی صورتحال میں اس کی سکندر نوازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

یوں سکندر سے زیادہ پورس جونیئر اپنے مربی چچا پورس اعظم کے خوف سے اپنی سلطنت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے ساتھ فوج کی کثیر تعداد بھی لے لی تاکہ اسے اس کے تعاقب میں استعمال نہ کیا جا سکے۔

آرین بیان کرتا ہے کہ سکندر نے اسے سخت مشکل میں ڈال دیا لیکن بہر حال وہ نندوں کی سلطنت میں جا کر چھپ گیا اور سکندر اور پورس کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ پورس اعظم دریائے چناب تک سکندر کی فوج کے ساتھ رہا وہاں پہنچ کر سکندر نے اسے کہا کہ وہ واپس لوٹ جائے اور بہادر ہندوستانیوں پر مشتمل ہاتھی

بروار فوج جمع کرے اور دوبارہ اس سے آملے۔ دریا پار کرنے سے پہلے سکندر وزیر آباد * سے 30 یا کچھ زائد میل اُوپر پہاڑی گھاٹیوں سے گزرا۔

غالب خیال ہے کہ اس کی فوج سیالکوٹ اور گورداسپور سے ملنے والی ریاست کشمیر کی سرحد کے پاس سے گزری آرین کی تحقیق ہے کہ سکندر جہاں جہاں سے گزرا اس نے مناسب ترین مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں تا کہ اس کے جرنیل کراتروس (جو پورس کے دارالحکومت میں مقیم تھا) اور کوئنوس (جس کا پڑاؤ دریائے چناب پر تھا) اگر ان علاقوں کو فتح کریں تو انہیں سہولت رہے۔ دوسرے یہ کہ وہ سکندر سے زیادہ دور نہ ہوں اور محفوظ طریقے سے اس سے آملیں۔

اس کے بعد اس نے کمانڈر ہیفاکشن کی قیادت میں توپخانے کی دو ڈویژن فوج پورس جونیئر سے نمٹنے کے لئے بھیجی جس کے ساتھ شہسوار دستے کی ایک رجمنٹ اور تیر اندازوں کی نصف یونٹ بھی تھی۔ ہیفاکشن نے جب پورس جونیئر کو اپنی سلطنت پورس اعظم کے سپرد کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنی تمام فوج کے ساتھ دریائے راوی (ہائیڈ روٹس) کے قبائلی علاقے کی طرف بھاگ گیا اس طرح پورس اعظم جہلم اور راوی کے درمیانی تمام علاقے کا مختارکل بن گیا۔

دریائے راوی کے بائیں کنارے ادریسطائی (موجودہ آرات اور اراروس قبائل) قبیلے نے اطاعت قبول کرتے ہوئے اپنا شہر پمپارا سکندر کے حوالے کر دیا تاہم کاٹھیانوں (موجودہ کاٹھ لوگ) نے اپنے مضبوط گڑھ سانگلہ پر مقدونوی فوج کا طبل جنگ بجا کر استقبال کیا۔ دریا پار کرنے کے تیسرے روز سکندر نے سانگلہ کی طرف پیشقدمی کی جہاں کاٹھ قبائل اپنے اتحادیوں کے ساتھ بیل گاڑیوں اور جنگی تجھیزات کی فصیل کے پیچھے مورچہ زن تھے۔ ان کے باقی اطراف میں پہاڑیاں تھیں جن سے ان کی پوزیشن انتہائی مستحکم ہوگئی۔ سکندر کے توپخانے نے تیز حملہ کیا لیکن کاٹھوں نے اس شدت سے جوابی کارروائی کر کے انہیں پسپا کر دیا۔ سکندر نے اس صورتحال میں ہلکے ہتھیاروں سے لیس دستے (فالینکس) کو پیش قدمی کا حکم دیا جس نے تیزی سے حملہ کر کے گاڑیوں پر سوار پہلی قطار کا صفایا کر دیا۔

---

* گجرات اور وزیر آباد کے درمیان جس مقام سے سکندر نے چناب پار کیا اس جگہ کے قریب انگریزوں کے دور میں سکندر کے نام سے ریلوے سکندریہ پل تعمیر کیا گیا۔ جو آج بھی موجود ہے (مترجم)

کاتھے اس عمل سے قطعی خوفزدہ ہوئے بغیر دوسری صف میں منظم ہو گئے اور نہایت آسانی سے فالینکس کا بھی منہ موڑ دیا۔ یہاں یونانی توپخانے نے اپنا نظم ختم کر کے پہلی صف کی بیل گاڑیوں میں موجود خلاء سے فائدہ اٹھایا اور دوسری تیسری قطار میں گھستے چلے گئے انہوں نے کاتھہ سپاہیوں کو فصیل کی طرف دھکیلنا شروع کیا جہاں سکندر اپنے فوجیوں کے ساتھ خود موجود تھا فصیل کے ساتھ ایک جھیل تھی جو فرار کا راستہ تھا لیکن وہاں سکندر نے پہلے ہی بھاری مقدار میں فوجی تعینات کر دیے لہذا جب رات کو کاتھوں نے پسپا ہونے کی کوشش کی تو انہیں بڑی تعداد میں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا اور انہیں واپس شہر کی جانب دھکیل دیا گیا۔

اس دوران پورس ہاتھیوں اور پانچ ہزار ہندوستانی فوجیوں کی کمک کے ساتھ آ پہنچا اس کے بعد سکندر کی ایجاد کردہ منجنیقوں کو شہر کی دیوار کے قریب لایا گیا لیکن قبل اس کے دیوار پر بھاری پتھر برسائے جاتے یونانیوں نے کمندیں پھینک کر فصیل چڑھی اور شہر میں گھس کر مزاحم قبائلوں کا قتل عام شروع کر دیا اس موقع پر سترہ ہزار مخالف فوجی قتل اور ستر ہزار قیدی بنا لئے گئے سانگلا کا حشر دیکھ کر دو دیگر شہر جنہوں نے مزاحمت کا فیصلہ کیا تھا خوفزدہ ہو گئے ان شہروں کے مکین یونانی فوج کی آمد سے قبل فرار ہو گئے۔ مقدونوی حملہ آوروں نے تعاقب کر کے 500 کو تہ تیغ کر دیا۔

سکندر نے غضبناک ہو کر سانگلہ شہر کو تباہ و برباد کر دیا اس طرح پورس کی بہادری کی قدر کرنے کی اس کے بارے میں روایتوں کا یہاں خون ہوتا نظر آتا ہے اس نے پورس اعظم کی سرکردگی میں یونانی فوج اطاعت قبول کرنے والے دو شہروں کے لئے بھیجی اور وہاں چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ سکندر خود باقی فوج کے ساتھ دریائے بیاس (ہائیفاسس) کی طرف وہاں مقیم ہندوستانیوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

اب سکندر دریائے بیاس کے کنارے کھڑا تھا پھنکارتا دریا یونانی فوج کے لئے کڑا امتحان بن گیا فوجی دریا ہرگز پار نہیں کرنا چاہتے تھے اس دوران جنرل کوئنوس نے باغی فوج کا ترجمان بنتے ہوئے سکندر کا حکم رد کر دیا اور دریا پار کرنے کی صورت میں فوج کی عبرتناک حالت کی ایک تفصیلی تصویر پیش کی۔

- کیورٹیس کے الفاظ میں کوئنوس نے کہا!

"دیکھو اے سکندر ہمارے جسم بے جان ہو چکے ہیں ہم جگہ جگہ سے زخم خوردہ اور لہولہان ہیں ہمارے ہتھیار اب کند ہو چکے ہیں ہماری زرہیں استعمال کے قابل نہیں رہی' ایرانی سلطنت فتح کرنے کے بعد سے ہمیں اپنے ملک یونان سے کوئی کمک نہیں پہنچی جس کی وجہ سے ہم غیر ملکی لباس پہننے پر مجبور ہیں ہم میں سے کتنے ہیں جن کے تن پر کپڑا سلامت ہے کتنوں کے پاس گھوڑے ہیں کتنے سپاہیوں کی خدمت کے لئے غلام ہیں؟
مال غنیمت میں سے اب باقی کیا بچا ہے ہم نے پوری دنیا فتح کر لی لیکن ہمارے پاس کچھ بھی نہیں کیا تم اپنی فوج جیسی عظیم سپاہ کا تصور کر سکتے ہو یہ سب کھلے آسمان تلے غیر محفوظ ہیں ہماری زندگیاں جنگلی جانوروں کے رحم و کرم پر ہیں۔
کئی لوگ بربریت کا شکار ہو گئے لہٰذا ہماری درخواست پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔"

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سکندری فوج بالائی پنجاب میں ہونے والے ناقابل تلافی نقصان کے بعد اپنے عزائم میں شکست خوردہ نظر آ رہی تھی اگرچہ یونانی مصنفین نے اپنے عظیم نقصان کو رنگین واقعات میں چھپانے کی کوشش کی ہے تاہم حقائق اپنی جگہ موجود ہیں اور قلعی دریائے بیاس کے کنارے آ کر کھل جاتی ہے۔ یونانی فوجی چیتھڑوں میں ملبوس اور غیر محفوظ تھے زخمی اور پژمردہ تھے ان کے پاس گھوڑا تھا، زرہ نہ خادم اس طرح ننددوں کی خوفناک قوت انہیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنے محبوب رہنما (سکندر) کی حکم عدولی کریں انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مگدھ کا بادشاہ اگرامس یا ژندرامس بیس ہزار شہسواروں، دو لاکھ توپچیوں (آتشیں ہتھیاروں سے لیس سپاہی) دو ہزار چار گھوڑوں والی بگھیوں، بیل گاڑیوں اور سب سے بڑھ کر تین ہزار جنگی ہاتھیوں کی زبردست فوج کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا ہے سکندر کو یہ خبر ملی تو اس کو ابتداء میں یقین نہ آیا اس نے اپنے ساتھی پورس سے مشورہ کیا پورس نے اطلاعات سے اختلاف نہ کیا اور کہا کہ "اگرامس کے پاس زبردست قوت ضرور ہے لیکن وہ نہایت کمینہ خصلت ہے اس کی عوام میں غیر مقبولیت کی بناء پر اسے شکست دینا زیادہ مشکل نہیں۔"

ممتاز مورخ ساندروکاٹس یا آندروکاٹس نے بھی پورس کے ان الفاظ کی تصدیق کی ہے پلوٹرک کا کہنا ہے کہ چندر گپت نے بھی ایسی ہی بات کی تھی کہ ''سکندر بڑی آسانی سے پورے ملک پر قبضہ کر سکتا تھا کیونکہ نندہ بادشاہ کی شر پسندی اور کمینگی کی وجہ سے عوام اس سے نفرت کرتے اور بیزار تھے۔''

حقیقت یہ ہے کہ چندر گپت اور پورس دونوں چاہتے تھے کہ سکندر مگدھ کی جانب پیشقدمی کرے کیونکہ دونوں ہندوستانی فرمانروا یونانی حملہ آوروں کو خوف کی علامت نندہ قبائل کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ تاہم پورس کی قیاس آرائیاں اور سکندر کی اپیل بھی یونانی فوج کے پست ہوتے حوصلوں کو سہارا نہ دے سکی ذہنی خلفشار اور بدمزگی میں سکندر دو روز تک اپنے خیمے میں بند رہا لیکن ریزہ ریزہ ہوتی فوج اب کسی بھی صورت میں سکندر کا حکم ماننا نہیں چاہتی تھی اور اس نے سکندر کو پسپائی کا طبل بجانے پر مجبور کر دیا۔

آرین کہتا ہے کہ ''سکندر نے اس کے بعد دریائے ہاپیفاسس (بیاس) کے مغرب میں تمام ملک پورس کی عملداری میں دیا اور واپس دریائے ہائیڈروٹس (راوی) کو روانہ ہوا، جہاں سے اس نے چناب کا رخ کیا اور وہاں ایک نیا شہر تعمیر کرنے حکم دیا اس کے بعد اس کی منزل جہلم (ہائیڈاسپس) تھی۔ آرین لکھتا ہے کہ سکندر نے وہاں اپنے امراء اور ہندوستان کے سفیروں کی موجودگی میں دربار لگایا ان سب کی موجودگی میں اس نے اپنے فتح کیے تمام علاقوں کو باقاعدہ طور پر پورس کے حوالے کر دیا اس سلطنت میں دو ہزار شہر اور سات قومیں شامل تھیں مورخ سٹرابو اس میں اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یونانی فوج نے دریائے جہلم کے درمیان گیارہ قومیں فتح کیں اس خطے میں 500 شہر تھے جن میں سب سے چھوٹا ''کوس میروپس'' شہر سے کسی طرح چھوٹا نہیں تھا۔

یہ تمام علاقہ سکندر نے اپنے دوست پورس کی حکمرانی میں شامل کر دیا اس دوران اس کے اپنے دیرینہ خیر خواہ ٹیکسلس سے اختلافات طے پا گئے اور دونوں کے درمیان تعلق * رشتہ داری میں تبدیل ہو گیا یوں پورس باقی ماندہ پنجاب کی فتح میں سکندر کا ہمرکاب بن گیا۔ بلاشبہ اس خطے میں اب اس کی حیثیت سکندر

---

* رشتہ داری کی نوعیت کا سراغ نہیں مل سکا۔

کے خیر خواہ نمائندے کی سی تھی سکندر کی چڑھائی کا مقصد پنجاب میں مستحکم حکمرانی کا قیام تھا جو اس کی روانگی سے پہلے ہی پورس نے قائم کر دکھائی۔

ابھی سکندر پورس کے دارالحکومت جہلم میں ہی تھا کہ یونان سے میستان اور ہرپالیس کی کمان میں اتحادیوں اور اُجرتی سپاہیوں کی کمک آن پہنچی۔ جس میں 30 ہزار سے زیادہ پیادے، 6 ہزار کے قریب شہسوار، 25 ہزار شاندار زرہیں اور زخمیوں، بیمار سپاہیوں کے لیے ادویات کے 100 ٹرک شامل تھے اس امداد نے سکندر میں نئی روح پھونک دی وہ ضرور واپس جانا چاہتا تھا لیکن اس بار اس کے سامنے مختلف راستہ تھا۔ وہ زیریں پنجاب سندھ سے گزرتے ہوئے بحیرہ عرب کے واپسی کا ارادہ رکھتا تھا شمال مغرب کے پہاڑی سلسلے والے راستے کو اس نے ترک کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہاں جا بجا سرکش قبائل آباد تھے جن سے اس کا الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اس موقع پر 200 بغیر جوڑ کی کشتیاں تیار کی گئیں جن پر بھاری بھرکم سامان لاد دیا گیا سکندر نے لکڑی کے بجرے پر کھڑا ہو کر پانی کے دیوتا سے محفوظ سفر کی دعا کی جس کے بعد قافلہ روانہ ہو گیا ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی اور ہاتھی کنارے پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

پورس، ٹیکسیلس اور دیگر ہندوستانی غیر ملکی فوجیوں کو نعرے مارتے اور گیت گاتے دیکھ رہے تھے۔

دریا کے بہاؤ کی طرف پیش قدمی نہایت پر خطر تھی تیز لہروں نے دیکھتے ہی دیکھتے دو جہازوں کے تختے اکھاڑ پھینکے جس سے سکندر کو صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا اس دوران کو شدرک مالووں نے اس کی فوج پر حملہ کر کے انہیں ہلا کر رکھ دیا خود سکندر کو بھی زخم آئے۔ تاہم لڑتا بھڑتا، لوٹتا، تباہی پھیلاتا، غلام بناتا یہ یونانی بہادر اپنے راستے پر گامزن رہا اس علاقے میں سکندر نے فلیس کو اپنا وائسرائے مقرر کیا ہوا تھا لیکن ابھی سکندر کرمانیا کے علاقے سے گزر رہا تھا کہ اجرتی فوجیوں نے اس گورنر کو معزول کر دیا اس نے ٹیکسیلس اور ایوداس کو خط لکھے کہ وہ اس علاقے کا بھی کنٹرول سنبھال لیں لیکن بغاوتوں کا دروازہ کھل چکا تھا اور تیز مخالف ریلے نے یونانی باقیات کا صفایا کر دیا۔

321 قبل مسیح میں ٹرائے پراوس کے مقام پر یونانی سلطنت کی دوسری بار تقسیم کی گئی اور ہندوستانی [illegible] اس سے نکال دیا گیا۔ وادی مہران میں یونانی گورنر پیتھن کے اراکوسیا (یونان) کو تبادلے کے

بعد پورس کو پنجاب کا مشرقی جہلم تک غیر متنازعہ حکمران تسلیم کرلیا گیا۔

مغربی مورخ ٹرندل تصدیق کرتا ہے کہ سکندر کی موت کے بعد پورس نے زیریں سندھ کے وسیع علاقے پر بھی قبضہ کرلیا۔

11

پورس اور چندر گپت

11

پورس اور چندر گپت

زیریں پنجاب اور سندھ میں سکندر کا واجبی سا تسلط اس کی واپسی کے ساتھ ہی سائے کی طرح ختم ہو گیا۔

مختلف چھاؤنیوں اور پڑاؤ میں اس نے جو دستے چھوڑے تھے انہیں لوگوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا کیونکہ حملہ آوروں نے مقامی افراد پر جو ظلم کیا اس کا انتقام ایسی صورت میں ہی نکلنا تھا پورا پنجاب اور شمال مغربی علاقہ غیر ملکیوں کے خلاف نفرت وغم و غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

توسیع پسندی کے علمبردار یونانیوں کے دور حکومت میں مختلف گروہوں، قبائل میں تقسیم ہندوستانی اختلافات ترک کر کے غیر ملکیوں کیخلاف متحد نظر آرہے تھے۔ مختلف ریاستی سرحدیں گڈمڈ ہونے سے بھی سب لوگ ایک جیسے جذبات محسوس کر رہے تھے۔

لڑائیوں میں شکست کھانے کے بعد تتر بتر فوجی اور حکومتی عہدیدار وطن پرست تحریک میں شامل ہو گئے اس طرح یونانی اثر ورسوخ کا صفایا ہوتا چلا گیا مشتعل برہمنوں اور بے بس کھشتریوں کی مدد سے سامراجی تسلط کے خاتمے کی مہم منظم ہو گئی اول الذکر میں سے پالیسی ساز چانکیہ اور موخر الذکر میں سے شہزادہ چندر گپت موریہ نے تحریک میں نئی روح پھونک دی۔

جسٹن لکھتا ہے کہ سکندر کی موت کے بعد ہندوستان میں اس کے حکام کو ہلاک کر دیا گیا ہندوستان کے

عوام نے اپنی گردن سے غلامی کا طوق اُتار پھینکا۔ وہ لکھتا ہے کہ

چندر گپت (سانڈرو کاٹس) ہی وہ رہنما تھا جس نے انہیں آزادی سے ہمکنار کیا اس نے ابتدا میں ''ڈاکوؤں'' کا ایک گروہ اکٹھا کر کے ہندوستانی عوام سے غیر ملکی قبضے کے خلاف جدوجہد کے لئے کہا یہاں رہزنوں سے مراد پالی کے عہد نامے میں مذکور ''چورے'' ہیں جنہیں مہابھارت میں ''آراتے'' کہا گیا ہے یہ لوگ پنجاب کے ایودھیا جیوی قبائل پر مشتمل تھے لیکن یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا چندر گپت پنجاب میں راجا پورس کی مدد کے بغیر کوئی تحریک آزادی شروع کر سکتا تھا؟ جسے سکندر نے پنجاب کا غیر متنازعہ سر کردہ حکمران تسلیم کیا تھا اور وہ یونانی تخت سے پہلے بھی اہمیت کا حامل تھا۔

یورپی تجزیہ نگار ایف ڈبلیو تھامس نے کہا ہے کہ ''پورس کی حمایت کے بغیر ایسی کوئی بھی تحریک موثر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔''

چندر گپت سے متعلق ہندوستانی روایتیں پورس کے بارے میں بالکل خاموش ہیں تاہم ان میں بادشاہ پرواتک یا پرواتشوارا کی فتوحات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

قدیم عہد ناموں میں بتایا جاتا ہے کہ چندر گپت نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے شہزادہ پیاتا (پروات) سے رابطہ کیا دونوں نے چانکیہ کی رہنمائی میں مہم کا آغاز کیا تاہم چانکیہ نے پیاتا کی نسبت چندر گپت کو زیادہ قابل قبول اور ذہین سمجھتے ہوئے اس کی طرف خصوصی توجہ دینا شروع کی۔

چورنی، ٹیکا، پیریشتا پروان اور سکھ بدھ جیسے عہد نامے بتاتے ہیں کہ چانکیہ نے چندر گپت اور شہزادہ پیاتا کے درمیان معاہدے میں اہم کردار ادا کیا جس میں طے پایا کہ سلطنت نند اس کو فتح کے بعد دو مساوی حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

دشاکاوت کے مسودے مدراک سسا میں بھی سلطنت نند اس فتح کرنے اور اس کی برابر تقسیم کیلئے چندر گپت اور پرواتشوارا کے معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے شواہد بتاتے ہیں کہ ان قدیم عہد ناموں میں جس پروات، پرواتک یا پرواتشوارا کا ذکر کیا گیا ہے

وہ ایک ایسا نہایت اہم حیثیت والا حکمران ہونا ضروری ہے جسے چندر گپت اور چانکیہ نے مدد کے لئے ضروری گردانا نندوں کی عظیم سلطنت کے مقابلے میں طاقتور حکمران اور قوت کا وجود ناگزیر تھا۔

مؤرخ ہرمن جیکوبی پروات یا پرواتک کا تعلق نیپال کے کرات شاہی خاندان کے گیارھویں بادشاہ پروا عرف پنچن سے جوڑتا ہے جس کا ذکر "بدھ پرواتیا وشاوئی" میں ملتا ہے یہاں بتایا گیا ہے کہ

"اسی شاہی سلسلے کے ساتویں بادشاہ جت داستی کے دور میں مہاتا بدھ نے نیپال کا دورہ کیا اور چودھویں شاہ ستھنگا کی حکومت میں راجا اشوک کی اس علاقے میں آمد ہوئی"

اس خیال کے متعلق سی ڈی چیٹرجی کی رائے اس طرح ہے "ہم پروا عرف پنچن سے متعلق ذہنی الجھن کا شکار کیوں نہ ہوں کہ کس طرح ایک مدبر سیاستدان چانکیہ نے نندوں کے آخری بادشاہ کے خلاف پہاڑی ریاست گورکانہ کے بادشاہ سے مدد مانگی جبکہ نندوں کی طاقتور سلطنت کے سامنے سکندر جیسا جری حملہ آور بھی بے بس رہا تھا حالانکہ یونانیوں کی حکمرانی ہیلے سپانٹ سے دریائے ہیفا ئسس (بیاس) تک پھیلی ہوئی تھی۔

مقدونوی فوج طاقتور بادشاہ ژندرامس کے مقابلے کی جرات نہ کر سکی اور اسے ریاست پراسیوئی اور گنگری دائی کی سرحدوں سے واپس لوٹنا پڑا جیسا کہ ایف ڈبلیو تھامس، آر کے مکرجی اور ایچ سی سیتھ نے بتایا ہے کہ درحقیقت پروات یا پرواتک یا پرواتشوارا کے نام پورس کو ہی دیے گئے ہیں اگر ہم سکندر کی واپسی کے وقت شمالی ہندوستان کی سیاسی صورتحال کا مشاہدہ کریں تو بخوبی ثابت ہو جائے گا کہ اس دور میں کوئی بھی ایسا حکمران نہیں تھا جو نندوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال سکتا ہو اور جسے چانکیہ نے مدد کے لئے ناگزیر سمجھا ہو۔

یونانی تاریخ دانوں کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ راجا پورس نندوں کی بڑھتی طاقت سے مخاصمت رکھتا تھا اور اس نے دریائے بیاس کے کنارے یونانی حملہ آوروں کو ترغیب دی کہ دریائے گنگا کے میدانی علاقے پر چڑھائی کریں لیکن فوجیوں کی ہچکچاہٹ کی وجہ سے سکندر اس تجویز پر تو عملدرآمد نہ کر سکا تاہم

اس نے متبادل انتظامات ضرور کئے ہوں گے اسی دوران چانکیہ اور چندر گپت نے نندوں کے خلاف مہم جوئی کی منصوبہ بندی شروع کی وہ بھی کسی ایسے شراکت دار کی تلاش میں تھے جو نندوں کے خلاف ان کی بھرپور اور موثر امداد کر سکے پورس نے ان کے رابطہ کرنے پر نندوں کی سلطنت فتح کرنے کی حامی بھر لی ہوگی یہ تجزیہ اس دور کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

باقی رہ گیا نام کا معاملہ تو پانی کی معروف زمانہ سنسکرت کی انشا پردازی کے باب ششم میں ہے کہ کسی بھی ملک کا نام بادشاہ کے نام کے مطابق ہوگا اس نے ٹیکسلا کے نام سے شروع ہونے والے کئی ناموں کے ساتھ پروات کے ایک خطے کا ذکر کیا ہے اور اس بارے میں ایک الگ قاعدہ بھی ترتیب دیا ہے۔

چینی یاتری ہوشوآن چوانگ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ وہ ملتان کے شمال میں 700لی (چینی پیمانہ) کا فاصلہ طے کر کے پوتا تویا پروات کے علاقے میں پہنچا۔

اس نے یوں تفصیل بیان کی ہے" یہ ملک پانچ ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے دارالحکومت کا رقبہ 20 مربع میل ہے آبادی گنجان اور اس کا انحصار ملک چیکا (سکیا یا تا کا) پر ہے چاول کی بڑی فصل پیدا ہوتی ہے زمین سرسوں اور گندم کے لئے موزوں ہے معتدل مزاج لوگ فارغ البال اور دیانتدار ہیں وہ قدرتی طور پر چست اور تیز ہیں زبان سطحی اور مشترکہ ہے انہیں گرائمر اور ادب پر نمایاں عبور حاصل ہے زیادہ تر افراد بدعقائد ہیں، یہاں دس سنگھرامے (مندر) اور ایک ہزار پجاری ہیں وہ بڑی اور چھوٹی دونوں مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں راجا اشوک نے یہاں چار سٹوپے (بدھوں کی عبادتگاہیں) تعمیر کرائیں ہیں دیو مندر بھی ہیں جہاں مختلف فرقے عبادت کرتے ہیں۔

بڑے قصبے کے دونوں اطراف سنگھراموں کو تعمیر کیا گیا ہے جہاں سو پجاری مقیم ہیں اور مذہبی تعلیم دی جاتی ہے شاستر کے ماہر جنا چتر نے" یوگا چارا بھومیش شترا کریگا" ترتیب دیا ہے شاستروں کے ماہر مذہبی زندگی گزارتے ہیں عظیم سنگھراما آتشزدگی سے تباہ ہو گیا۔"

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان سے 700لی کے فاصلے پر خطہ تا کا میں ریاست پروات ہے جس کا

موسم معتدل ہے چاول، سرسوں اور گندم کی پیداوار کے علاوہ آبادی گنجان ہے یہاں سے 500 میل جنوب مغرب کا رخ کرتے ہی چینی یاتری سندھ کے ساحلی علاقے تک جا پہنچا۔

جس خطے کا ذکر کیا گیا ہے وہ شمال یا شمال مشرق میں گجرات (پنجاب) سے ریاست کشمیر تک (دسویں صدی میں) پھیلے علاقے کا نام تھا۔ یہی پوزیشن جدید دور کے دریائے چناب کے دونوں کناروں پر پھیلے پہاڑی ملک ''تاکا'' کی ہے جو جموں کی ریاست کا حصہ ہے کننگھم کی تحقیق ہے کہ تاکا دیس کسی وقت میدانی علاقہ تھا اس نے بھی اسے مغربی پنجاب کے علاقے میں واقع دکھایا ہے جو پورس کے زیر حکمرانی تھا علاوہ ازیں مہابھارت میں پاؤروا کو پرواتیا اور پرواکا ہم نام قرار دیا گیا ہے۔

پورس یا پرواتک اور چندر گپت کے درمیان فوجی اتحاد کا مقصد پنجاب کی تمام طاقت مجتمع کر کے سلطنت مگدھ کو فتح کرنا تھا مدراک سسا کے مطابق وادی کولو کے چتر اور ''من ملایا کے کھنادا'' کشمیر کے پشکراشکا' سندھ کے سوسیناسی' پراسیکا (ایران) کے میگھا نندا اور کھتریوں کے سردار نے نندوں کے خلاف پرواتک کی فوج کے ساتھ اتحاد کیا اس طرح جرنیل ڈنگارت کی سربراہی میں ٹڈی دل نے مگدھ پر چڑھائی کی ڈنگارت کے بارے میں خیال ہے۔

کہ اس نے بھی یونانی فوج کے ساتھ حملہ آوروں کا ساتھ دیا اس کے بارے میں یہ بھی نظریہ ہے کہ یہ ایوداسس تھا جسے سکندر نے یونانی فوج کے ساتھ پنجاب میں پڑاؤ کے لئے چھوڑا تھا اس باقاعدہ فوج کے علاوہ بڑی تعداد میں کمبوجہ، ساتا، یوانا (یونانی) کراتا (پہاڑی منگول) پراسیکا (ایرانی) بلہیکا (بکتری) قبائل بھی مہم جوئی میں شریک ہو گئے یہ قبیلے عرصہ دراز سے پنجاب میں مقیم تھے اس کثیر القومی فوج کی قیادت چانکیہ کی رہنمائی میں راجا پرواتک اور شہزادہ چندر گپت کر رہے تھے۔

ٹڈی دل ریاست پتالی پتر پر حملہ آور ہو کر اسے تنکوں کی طرح بہا لے گیا اور نندوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ حملے کی شرط یہ طے کی گئی تھی کہ فتح کی صورت میں سلطنت آدھی آدھی بانٹ

مل جائے گی اس طرح پورس کا پورے پنجاب اور وادی گنگا کے وسیع علاقے پر حکمرانی کا خواب پورا ہو گیا
کچھ عرصے بعد کسی نامعلوم شخص نے اسے قتل کر دیا تو چندر گپت موریہ کی ناقابل شکست حکومت چہار سو
قائم ہو گئی۔

12

پورس کی موت

12

پورس کی موت

نندوں کے خلاف پورس اور چندر گپت کی مشترکہ مہم جوئی کے معاہدے کا اہم نکتہ مفتوحہ سلطنت کی دو برابر حصوں میں تقسیم تھی لیکن اس تحریک کے روح رواں دانشور چانکیہ نے واضح طور پر محسوس کیا کہ ''دو افراد کی صحبت ٹھیک ہوتی ہے لیکن تین کچھ بھی نہیں'' اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ چندر گپت کی بہ نسبت راجا پرواتک یا پورس زیادہ طاقتور اور اہم ہے ممکن ہے کسی روز پورس چندر گپت کا ہی پتا صاف کر دے اس ذہنی کشمکش کے بعد چالاک چانکیہ نے پرواتک یا پورس کو راستے سے ہٹانے کی حکمت عملی تیار کر لی اگر قدیم عہد نامے ''مدراک سسا'' کی تفصیل کو درست مان لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورس کو ایک زہریلی لڑکی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

دوسری طرف یونانی مصنفین لکھتے ہیں کہ سکندر کی پنجاب سے وطن واپسی کے بعد یونانی جرنیل ایوڈامس نے پورس کو قتل کر دیا۔

ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھنے پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ایوڈامس نے چانکیہ کی سازش کے زیر اثر ایسا

کیا اس ڈرامے کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نندوں کے خلاف لشکر کشی میں ملیچھوں کا ایک دستہ بھی شامل تھا جس کا کمانڈر ڈنگارت تھا جسے بآسانی ایوداس کے طور پر شناخت کیا جا سکتا ہے ڈنگارت کو مگدھ پر چڑھائی میں مدد دینے کے لئے پورس اور چندر گپت نے ساتھ لے لیا چانکیہ کو پورس کے ایوداس کے ساتھ تعلق پر سخت تشویش تھی اس نے ایوداس کی وفاداریاں چندر گپت کے لیے مخصوص کرنے کی حکمت عملی پر عملدرآمد شروع کر دیا اور اس میں کامیابی کے بعد اسے پورس کے قتل پر بھی راضی کر لیا اس طرح مگدھ کی فتح کا جشن مناتے ہوئے عظیم جنگجو اور فاتح پورس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا گیا۔

سازش کامیاب رہی اور چندر گپت بلا شرکت غیرے وسیع علاقے کا حکمران بن گیا

''مدراک سسا'' میں بیان ہے کہ مگدھ کی مہم میں پرواتک کا بیٹا ملایا کتو بھی شریک تھا چانکیہ اور چندر گپت کے شبہ پر جب پورس کو قتل کر دیا گیا تو وہ اپنی فوج کے ساتھ نندوں کے وزیر رکا ساسے جا ملا۔

چانکیہ نے یہاں بھی اپنی شاطرانہ چالوں سے رکا سا اور چندر گپت میں مفاہمت کرادی اس طرح ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ملایا کتو کو انتہائی بُری حالت میں چندر گپت کے سامنے پیش کر دیا گیا تاہم چانکیہ کے کہنے پر نہ صرف اس کی جان بخشی کر دی گئی بلکہ اسے پنجاب کی حکمرانی پر بھی بحال کر دیا گیا اس سے یہ شرط منوائی گئی کہ وہ اپنے باپ پورس سے طے پانے والے معاہدے کے تحت سلطنت کی تقسیم کا مطالبہ نہیں کرے گا یوں یہ معاملہ پرامن طور پر حل کر لیا گیا۔

اس فیصلے کے بعد ملایا کتو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پنجاب چلا گیا یہ وہی ملایا کتو ہے جس کا ذکر ڈایوڈورس نے جنرل کیتوس کے نام سے کیا ہے دراصل ملایا کتو کا پورا نام ملایا کیتوس تھا۔

ڈایوڈورس لکھتا ہے کہ کیتوس نے 316 قبل مسیح میں ایران میں جنگ جبیانی میں انتی گنوس کے خلاف

لڑائی میں ایومنس کا ساتھ دیا۔

ہندوستان سے وہ ایوداس کے ساتھ فوجیں لے کر ایومنس کی مدد کے لئے ایران پہنچا یہ بھی واضح ہے کہ جنگ میں ایوداس ایومنس جبکہ پیتھون انٹی گنوس کا اتحادی تھا ایوداس کے کیتوس کے ساتھ قریبی روابط کی وجہ سے ہی اس نے اسے ایران میں لشکر کشی کے لئے ساتھ لے لیا لیکن جنگ جبیانی میں کیتوس یا ملایا کتو مارا گیا اور اس کی دونوں بیویوں نے شوہر کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کی پیشکش کی۔

یہ معاملہ یونانی جرنیلوں تک پہنچا تو انہوں نے چھوٹی بیوی کو جلانے کی حمایت کی کیوں کہ بڑی ملکہ کا ایک بچہ بھی تھا۔

ہندوستان سے ملایا کتو کی روانگی اور ایران میں قتل سے پورس کے خاندان کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا تھا اور پنجاب بھی موریہ سلطنت کا حصہ بن گیا بعد میں موریہ اور چندر گپت بادشاہوں کے کارناموں کی چکا چوند نے پورس کے خاندان کے حالات کو گرہن لگا دیا ہندوستانی لکھاریوں نے انہیں فراموش کر دیا تاہم صرف پورس ایسی شخصیت ہے جس کا زمانے کی دست برد کچھ نہ بگاڑ سکی ہندوستانی ڈراموں اور مصوروں میں پورس کی جھلک اور کارنامے دکھائی دیتے ہیں۔

یونانی مصنف فلاسٹراٹس لکھتا ہے کہ ٹیکسلا کی فصیل کے باہر سنگ مرمر کا ایک مندر تھا جس پر بڑی بڑی دھاتی پلیٹوں پر سکندر اور پورس کی لڑائی کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔

اس داستان میں پنجاب کے عظیم ہیرو کی وطن پرستی مشکل اور صبر آزما وقت میں استقامت کا ذکر خطے کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔

تاریخی حوالہ جات

پورس کے متعلق یہ تاریخ مستند حوالہ جات کی بنیاد پر رقم کی گئی ہے۔ ان حوالوں کو

1۔ یونانی اور رومی

2۔ ایرانی، شام اور ایتھوپیائی

3۔ اور ہندی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تاریخ پورس دراصل سکندر اعظم کی شخصیت سے جڑی ہوئی ہے جس کے ساتھ اس نے دریائے جہلم کے کنارے تاریخی زبردست جنگ لڑی لہٰذا جن مورخوں نے سکندر اعظم کی تاریخ لکھی انہوں نے پورس کے حوالے سے بھی تفصیلات بیان کی ہیں ان تاریخ دانوں میں تولومی بن لاگوس، ارسطوبولس، نیرچس، چارس، کالستھنز اور دیگر شامل ہیں۔ اگرچہ ان ہم عصر مصنفین کے مستند مسودے ضائع ہو چکے ہیں لیکن ان حوالہ جات کی بنیاد پر بعض تاریخیں ضرور ہم تک پہنچی ہیں۔

اول آرین کی اناباسس آف الیگزینڈر، دوم کیورٹیس رفوس کی ہسٹری آف الیگزینڈر دی گریٹ، سوم پلوٹرک کی لائف آف الیگزینڈر، چہارم دی ہسٹری آف ڈایوڈورس سسلی اور پنجم جسٹن فرنٹیس کی دی بک آف مقدونین ہسٹری۔

ان مورخوں کے بارے میں ممتاز محقق پروفیسر فری مین اپنی تصنیف "ہسٹوریکل ایسے" میں لکھتا ہے "ڈایوڈورس ہمارے خیال میں مکمل طور پر دیانتدار لیکن احمق ہے۔ پلوٹرک خود اپنے بارے میں کہتا ہے

کہ وہ تاریخی نہیں شخصیتی خاکے لکھتا ہے اس کے نزدیک نتیجہ خیز تاریخی شواہد جمع کرنے سے زیادہ سیاسی اور فوجی واقعات لکھنا اہم ہیں جسٹن اپنے موقف میں ضعیف اور کانٹ چھانٹ میں غیر محتاط ہے۔ کیورٹیس ہماری نظروں میں ان پانچوں میں معقول ترین مورخ ہے لیکن اس پر بھی تاریخی سچ سے دانستہ طور پر فرار ہونے کا الزام لگایا جا سکتا ہے۔"

پروفیسر فری مین آرین کے بارے میں لکھتا ہیں کہ صرف وہ اپنے پیشروؤں کی تحقیق کا بغور جائزہ لینے اور نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن جیسا کہ پروفیسر تارن نے واضح کیا ہے کہ وہ بھی مختلف جنگوں میں سکندر کے نقصانات پر دانستہ طور پر پردہ ڈالتا نظر آتا ہے۔ تنقیدی مطالعے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ کئی نکات پر اس کے بیانات مشکوک ہیں۔

کم و بیش آرین کے حوالے جامع اور اس وقت تک قابل قبول ہوتے ہیں جب تک ان کا موازنہ دیگر زیادہ مستند تاریخی حوالوں سے نہ کیا جائے۔ ان واقعات کا ترجمہ جے ڈبلیو مکرنڈل نے "دی انویشن آف انڈیا بائے الیگزینڈر دی گریٹ" کے عنوان سے کیا ہے۔

سکندر کی زندگی پر لکھنے والوں میں کالستھنز کو اہم مقام حاصل ہے وہ سکندر کا رشتہ دار اور شاگرد تھا۔ سکندر نے اسے ایشیاء کے خلاف لشکر کشی میں اپنے ساتھ رہنے کی خصوصی اجازت دی تاہم وہ جانبدارانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے آزادو رہ کر اپنے موقف بیان کرتا تھی کہ بعض نکات پر اس نے سکندر کو بھی تنقید بنایا ہے۔ لازمی طور پر یہ بات سکندر کو ناگوار گزری ہوگی اور اس نے اسے قید کرا دیا۔ تولوی لکھتا ہے کہ کالستھنز کو قید کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔

چارلس تصدیق کرتا ہے کہ اس کی موت ہندوستان میں ہوئی اس نے سکندر کی مہم جوئی کے دوران بعض کھری کھری باتیں لکھی ہیں جو اس کے ہم وطن یونانی تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ تاہم اس موقف کا ان ملکوں میں خیر مقدم کیا گیا جسے سکندر نے جارحیت کا نشانہ بنایا اور اس طرح وقت گزرتے گزرتے تیسری صدی میں عظیم تصنیف "سیوڈو کالستھنز" کی بنیاد قائم ہونے میں زبردست معاونت کی راہ ہموار ہوگئی اس یونانی کتاب کو پہلوی زبان اور پھر 521ء میں جیکب سرگ نے شامی زبان میں ترجمہ کیا۔

اسی طرز پر حبشی زبان میں بھی تاریخی حوالہ جات موجود ہیں۔ان سب کو ملا کر ارنسٹ اے والس بج نے
"The History of Alexander the Great being a sereis of Translations of the Ethiopic Histories of Alexander
لکھی۔

اس طرح ٹی نولدکی نے بھی سکندر اعظم پر بہت خوبصورت کتاب
Beitrag Zur Geschichte des Alexanderromans.
تالیف کی۔جس میں طبری اور دیناوری کی عربی تاریخ اور حوالوں کا بھی مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔

یہ حوالے بلاشبہ نہایت اہم ہیں اور ان کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کرنا مشکل ہوگا۔اپنی حوالوں کی کسوٹی پر دیگر تاریخوں کے مستند ہونے کو پرکھا جا سکتا ہے اور شواہد کے ضعیف یا مضبوط ہونے کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

ایرانی لوگوں کے لئے عظیم الشان ہخامنشی سلطنت کے خاتمے کی وجہ بننے پر سکندر اعظم کے لئے نفرت اور بے زاری کے جذبات رکھنا فطری ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قدرتی طور پر ان واقعات اور حقائق کی تفصیل کو محفوظ کر لیا۔ایرانی کم و بیش سکندر کے لئے وہی خیالات رکھتے ہیں جو نفرت ان کے دل میں ضحاک اور افراسیابؒ کے شیطانی اقدامات پر پائے جاتے ہیں لیکن عرب سکندر کے معترف ہیں اور ایران کی فتح کے بعد ایرانی خیالات میں بھی تبدیلی لانے کا باعث بن گئے۔ابن مقفی نے سکندر کے ایران میں جانشینوں کے بارے میں تاریخ تخلیق کی یہی عرب فارسی مسودہ "شاہنامہ اسلام" جیسے تاریخی مجموعے میں فردوسی حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

تاہم فردوسی پہلوی ترجمے کو بھی نہایت اہمیت دیتا ہے اور کئی مقامات پر اس کا یہ لکھنا (چوں گفت گوئندہ پہلوی :اس طرح پہلوی راوی نے یوں لکھا) اس کا واضح ثبوت ہے دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ فردوسی بہت بعد کا شاعر ہے اور اس کے واقعات کی صحت شک و شبہ سے بالاتر نہیں قرار دی جا سکتی لیکن قدیم ایرانی روایتوں کے امین ہونے کی وجہ سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ ایرانی سکندر اور اس کی فتوحات کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اس لئے فردوسی نے جو معلومات فراہم کی ہے ان کی دیگر

شواہد کی روشنی میں سخت جانچ پڑتال کی ضرورت ہے اور صرف اس حصے کو تاریخی حوالے کے طور پر دیا جاسکتا ہے جو مستند تاریخی حالات سے باآسانی سلسلہ جوڑ سکے۔ ہم نے کتاب میں شاہنامہ اسلام کے انگریزی ترجمہ (آرتھر جارج وارنر) سے اقتباسات دیے ہیں۔

بدقسمتی سے ہندوستان نے سکندر اور اس کے سب سے بڑے حریف پورس کے متعلق سب کچھ بھلا دیا۔ صرف "مہابھارت" کے قدیم عہدنامے میں پاؤروا، پاؤرس اور پرواتیا کے نام سے تفصیل بتائی گئی ہے جس سے تاریخی رہنمائی لینا انتہائی مشکل ہے اس کتاب میں مہابھارت کے اس تنقیدی نسخے سے مدد لی گئی ہے جو بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونا (بھارت) نے شائع کی جس کا مقصد پورس، پاؤروا، پاؤرس اور پرواتیا کے ناموں کی شناخت اور ان کی اہمیت کا پتہ چلانا ہے۔ ہندوستانی نکتہ نظر سے پارشتا پروان، چورنی، لنکا، اوشیا کا نزیوکی، روشیا کا شوترورتی، سکھ بدھ اور اتردھیان ستر کے عہدنامے نہایت اہم ہیں۔ بدھوں کے پہلو سے وسا تھا پکی اور مہاوسا تبصرے بھی مدنظر رہے برہموں نے مدراک کے ڈرامے میں جو حقائق پیش کیے ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے اس بات کا غالب امکان ہے کہ اس ڈرامے میں جس پرودات یا پرواتشوارا کا ذکر کیا گیا ہے وہ مہابھارت میں جتنذکر پاؤروا، پاؤرس یا پرواتیا ہی ہوں۔

کتاب میں اسی حوالے سے پورس کی شناخت پیش کی گئی ہے ان تمام تاریخوں سے پورس کی زندگی کے بعد کے حالات کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا کوتلیہ نے "ارتھ شاستر" میں چوتھی صدی قبل مسیح میں شمالی ہندوستان کے اندر جنگی حکمت عملی کے قواعد اور طریقے بیان کیے ہیں اور بی برولر نے اپنی تصنیف Alexanders kampf gegen Poros میں ثابت کیا ہے کہ پورس نے جنگ جہلم میں انہی قاعدوں کو استعمال کیا۔

سکندر کی زندگی پر موجودہ دور کے کچھ محققوں کے مضامین بھی نہایت اہم ہیں جن میں پروفیسر تارن کا کیمبرج قدیم تاریخ میں "سکندر اعظم" ابتدائی تاریخ ہندوستان میں وی اے سمتھ کے مضمون کا ذکر کرنا زیادہ ضروری ہے علاوہ ازیں Studies in Indian History and Civilization کا یہاں حوالہ نہ دینا بھی زیادتی ہوگا۔

ہماری تاریخ کا ایک ہیرو

جس طرح کسی درخت کی جڑ کٹ جائے تو وہ پھول پھل لانے سے محروم ہو کر سوکھ جاتا ہے اسی طرح اپنی تاریخ سے بے بہرہ قوم حال اور مستقبل میں صحیح فیصلے کرنے سے عاری ہو کر خود آگہی کے رستوں میں گم ہو جاتی ہے یہی کیفیت آج ہماری ہے۔

پاکستان کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں دنیا کی ایک اولین تہذیب نے جنم لیا۔ ہڑپہ اور موہن جو داڑو کے تمدن کو انسانی تاریخ میں جو مقام حاصل ہے دوسری قومیں تو اس سے بخوبی واقف ہیں لیکن خود ہم اس پر فخر تو کیا اس کا ذکر بھی کم کم ہی کرتے ہیں۔ ہمارے اس رویے سے ظاہر ہوتا ہے جیسے یہ سرزمین محمد بن قاسم کی آمد سے پہلے خالی پڑی تھی اور اگر یہاں کچھ لوگ آباد تھے تو وہ تہذیب و تمدن سے بہت دور تھے مگر ایسا نہیں تھا۔

بے شک مسلمانوں، خصوصاً اولیائے کرام کے آنے کے بعد اس خطے کی تاریخ میں بہت شاندار اضافہ ہوا لیکن یہ جاننے کے لئے کہ ہماری جڑیں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ہم اپنی تاریخ کے کچھ فراموش کردہ انتہائی قابل ذکر ادوار سے شناسا ہوں۔ بدھا پرکاش کی کتاب مہاراجہ پورس اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

وہ سکندر اعظم جو یونان کی چھوٹی سی ریاست مقدونیہ سے ایک طوفانی آندھی کی صورت میں اٹھا اور آدھی دنیا پر چھا گیا اور جس کا سامنا ایران کی شہنشاہیت اور اس کی بے پناہ دولت و عظمت بھی نہ کر سکی جب دریائے جہلم کے کنارے مہاراجہ پورس سے نبرد آزما ہوا تو اس کی فوج شکستہ حوصلہ ہو کر بددل اور بے زار ہونے لگی۔ یہ فوج جنگ تو جیت گئی لیکن حوصلہ ہار گئی اور اس نے دریائے بیاس تک پہنچتے پہنچتے سکندر کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ بدھا پرکاش کی یہ مختصر لیکن جامع کتاب ٹھوس تاریخی شواہد کی مدد سے مہاراجہ پورس کی شخصیت اور کردار کو اس طرح اجاگر کرتی ہے کہ اہل پاکستان عموماً اور اہل پنجاب خصوصاً اپنے اس ہیرو کی بہادری اور خودداری پر فخر کر سکتے ہیں۔

جہاں اسلم وسیم نے ترجمہ کرنے کا حق ادا کیا ہے وہاں کتاب کے ناشر فرخ سہیل گوئندی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے سوچنے کا موقع دیا ہے کہ ہم اپنی بھولی بسری جڑوں کو پانی دینے کے لائق ہو گئے ہیں۔

محمد حنیف رامے